جلد 6 شمارہ 10 دسمبر 2004ء شوال 1425ھ

قد افلح من تزکی ○ وذکر اسم ربہ فصلی ○ (الاعلیٰ 14-15)

بے شک وہ مراد کو پہنچ گیا جو پاک ہوا۔ اور اپنے رب کے نام کا ذکر کرتا رہا اور نماز پڑھتا رہا۔

واذکر اسم ربک وتبتل الیہ تبتیلا

اللہ

محبت

صداقت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پرواز مسلسل

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح وفلاح کا علمبردار

ماہنامہ

فلاح آدمیت

گوجرانوالہ

Registerd

CPL No. 49

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

اغراض و مقاصد

- کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول ﷺ، کثرت ذکر، مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا۔
- کشف وکرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب وعرفان اور اسکی رضا ولقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا۔
- حضور ﷺ کے صحابہ کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج۔

موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت ہی مختصر اور سہل العمل اورادو اذکار کی تلقین۔

- غصہ و نفرت، حسد و بغض، تجسس و غیبت اور ہوا و ہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم ورضا، عالمگیر محبت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا، تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل وعیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا۔
- اللہ تعالیٰ کی رضا، اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح و خدمت کے کام کو آگے بڑھانا۔ اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے انکے اخلاق کی اصلاح کرنا۔

عالمگیر محبت، اکرام انسانیت اور فلاح آدمیت کا علمبردار

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

ماہنامہ
گوجرانوالہ

آدمیت فلاح

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان
کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

بیادگار **خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ**
بانی سلسلہ

نگران و سرپرست
محمد صدیق ڈار صاحب توحیدی
شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ

جلد 6 شمارہ 10 دسمبر 2004ء شوال 1425ھ

قیمت ———— -/20 روپے
سالانہ فنڈ ———— -/200 روپے

شیخ سلسلہ سے رابطہ کیلئے:
محمد صدیق ڈار توحیدی
مرکز تعمیر ملت نزد وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ
Ph:0431-862835
Mob: 0320-5793520

ایڈیٹر سے رابطہ کے لئے:
وحید احمد
تھانہ روڈ بلدیہ مارکیٹ گکھڑ ضلع گوجرانوالہ
Ph:0431-881379

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراجدین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

Fax: No. +92-431-222020
E-mail: tohidia@hotmail.com

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

اس شمارے میں

صفحہ نمبر	مصنف	مضمون
1	وحید احمد	اداریہ
3	مولانا محمد الیاس اظہر الازہری	تمام عبادات کا مغز تقویٰ
6	امام ابو حامد الغزالیؒ	حج کا بیان
11	مولانا شاہ محمد جعفر پھلواروی	ہمارے مذہبی راہنما
18	صدر الدین	شراب اور جواء
20	مولانا محمد یوسف کاندھلوی	خطبات عمر فاروقؓ
27	محمد ظفر اللہ چاون	تلاش حقیقت کا فطری جذبہ
34	عبدالرشید ساہی	مقام دل و نگاہ
40	پروفیسر یوسف سلیم چشتی	اسلامی تصوف
45	محمد قطب	جدید جاہلیت
52	کے ایم اعظم	عالم اسلام کو درپیش مسائل

اداریہ

اطمینان قلب سے محرومی کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ ہم میں سے ہر شخص اپنی زندگی کے اعلیٰ وارفع مقاصد کو چھوڑ کر محض معیار زندگی کی بلندی کے چکر میں پڑ گیا ہے اور ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ جائز و ناجائز ذرائع اختیار کر کے ایک دوسرے سے اپنا معیار زندگی بلند کرے اور یہ بھی چاہتا ہے کہ اس کے لئے اسے محنت نہ کرنی پڑے اور نہ اپنا وقت ہی صرف کرنا پڑے ہر شخص پر ایک پر تکلف اور امیرانہ زندگی کا خیال مسلط ہو گیا ہے اور یہ تکلف اس کی زندگی اور معاشرت کا جزو بن گئے ہیں اور دلوں میں اس طرح رچ بس گئے ہیں کہ پوری شہری زندگی اور پورا نظام تمدن اس کی لپیٹ میں آ گیا ہے۔ ہر شخص دنیوی مال واسباب کے معاملے میں اپنے سے کمزور تر آدمی کو دیکھنے کے بجائے اپنے سے اوپر والے آدمی کو دیکھتا ہے اس بیماری نے ایک لاعلاج مرض کی صورت اختیار کر لی ہے اور ہر امیر وغریب کے سر پر غموں اور پریشانیوں کا ایک بوجھ لاد دیا ہے ہمارے سرمایا داروں اور کارخانہ داروں کے اندر ایک زبردست تجارتی مقابلہ جاری ہے: جس کے نتیجے میں کھیل کود کے سامانوں، عجیب وغریب کھلونوں، آرائش کی چیزوں اور لباس وزینت کے انواع و اقسام کا ایک سیلاب اُمڈ آیا ہے ہمارے بازار نئی تراش خراش کے لباسوں، نئی وضع وقطع کی جوتیوں سے اور دوسرے ذرق برق لباسوں اور سامان آرائش سے جگمگا رہے ہیں پھر فوراً ہی یہ چیزیں ہمارے لئے پرانی اور فرسودہ قراد پا جاتی ہیں اور برائے نام شکل وصورت کی ترمیم کے ساتھ نیا سامان ان کی جگہ لے لیتا ہے، زینت حسن وترقی کا معیار روزانہ بدلتا ہے اور برابر بدلتا رہتا ہے کارخانوں کی طرف سے بے ضرورت تفریح اور آرائشی سامانوں کی پیداوار اور ان کی باہمی مسابقت اور رقابت نے لوگوں کی زندگی کو روز بروز گراں، معیار زندگی کو ہر گزرے ہوئے دن سے بلند کر دیا ہے کہ اس کی تکمیل کے لئے بڑی سے بڑی آمدنی بھی ناکافی معلوم ہوتی ہے اور یہ زندگی انسان کو ترغیب دیتی ہے کہ یہ دولت کو ہر ممکن طریقے سے حاصل کرے یہ حالات انسان میں ایک دائمی ہیجان اور بے پردگی کا یہ ماحول جنسی خواہشات کی تسکین کا ایک سطحی جذبہ پیدا کرتے ہیں ان کے اثر سے انسان صبر وضبط سے خالی ہو جاتا ہے اور ہر ایسے کام سے گریز کرنے

لگتا ہے جو ذرا دشوار اور صبر آزما ہوا نہی باتوں کا یہ نتیجہ ہے کہ قناعت کا لفظ ایک لفظ بے معنی بن کر رہ گیا ہے کسی انسان کو بقدر ضرورت رزق مل جانے پر یا کچھ رزق ملنے پر قناعت کرنے کی عادت نہیں رہی ہے سکون و اطمینان قلب خواب و خیال ہو کر رہ گیا ہے ہر شخص اپنے سامنے اپنی موجودہ حالت سے بلند معیار زندگی رکھتا ہے اور اسے حاصل کرنا سب سے بڑا فرض سمجھنے لگتا ہے یہ غلط ماحول بھی اسے اسی کی ترغیب دیتا رہتا ہے اور اس کے بغیر وہ خود کو ذلیل سمجھتا ہے اس کا نفسیاتی اثر یہ ہوا ہے کہ زندگی میں تلخی اور کوفت بڑھ گئی ہے اور جو گھر آسانی سے جنت کا نمونہ بن سکتے تھے اور جن میں زندگی کے سب حقیقی لوازمات پائے جاتے تھے کسی نہ کسی موہوم اور خیالی چیز کی کمی کی وجہ سے دوزخ کا نمونہ بن گئے ہیں جہاں حقیقی عیش اور قلبی اطمینان عنقا ہو گیا ہے معیار زندگی کی بلندی کے اس چکر سے نکلنے کے لئے قناعت و استغناء کے جذبات کی پرورش کی ضرورت پڑتی ہے قناعت و استغناء کا مطلب یہ ہے کہ انسان باعزت طریقے سے اپنے رب کا فضل تلاش کرتا رہے اور اس طرح جو دنیوی ساز و سامان اسے میسر آجائے اسے خدا کی مہربانی سمجھ کر اس پر قناعت بھی کرے اور زیادہ مال حاصل کرنے کی حرص و ہوس اور حسد جیسے گھٹیا جذبات سے بچتا بھی رہے اور غلط اور ناجائز ذرائع اختیار نہ کرے اور اس بات پر بھی یقین رکھے کہ رزق کی کنجیاں اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں وہ جس کو جتنا رزق چاہے دیتا ہے اور جب چاہتا ہے چھین بھی لیتا ہے۔

والسلام

وحید احمد

تمام عبادات کا مغز "تقویٰ"

مولانا محمد الیاس اظہر الازہری

قرآن پاک میں ہے **ذالک الکتاب لا ریب فیہ ھدی للمتقین** "اس کتاب میں کچھ شک نہیں یہ متقین کیلئے ہدایت ہے"۔

متقین متقی کی جمع ہے اور متقی تقویٰ سے بنا ہے۔ جس کے معنی بچنا' پرہیز کرنا اور ڈرنا کے ہیں۔ اب آیت مذکورہ بالا کی طرف آتے ہیں تو یہ مفہوم بنے گا کہ یہ کتاب صرف بچنے والوں پرہیز کرنے والوں اور ڈرنے والوں کی رہنمائی کرتی ہے۔

اس کو ایک حسی مثال سے واضح کیا جا سکتا ہے یعنی کوئی شخص کسی مرض میں مبتلا ہو تو ماہر ڈاکٹر یا حاذق حکیم اسکے لئے کوئی دوا تجویز کرتا ہے لیکن اسکے ساتھ ساتھ چند چیزوں کے استعمال سے سختی کے ساتھ منع بھی کرتا ہے مثلاً نمونیہ کے مریض کو ٹھنڈی ہوا برف سے ٹھنڈا کئے ہوئے پانی اور ٹھنڈے پانی سے غسل کرنے سے پرہیز کرنے کی تلقین کرتا ہے اب اگر مریض نہائیت قیمتی دوائیں لیتا ہے لیکن پرہیز نہیں کرتا تو اس پر علاج کا ذرہ برابر بھی اثر نہیں ہوگا۔ ایسے ہی ذیابیطس کے مریض کو میٹھا کھانے اور ہائی بلڈ پریشر والے کو نمک استعمال کرنے یا دل کے مریض کو روغنیات اور نشاستہ والی اشیاء کے استعمال سے روک دیا جاتا ہے اندریں حالات پرہیز کرنے والا صحت یاب ہو سکتا ہے مگر بد پرہیز شخص کبھی بھی صحت یاب نہیں ہو سکتا۔

بعینہ اللہ تعالی نے ہماری روحانی بیماریوں سے نجات کیلئے عبادات کی شکل میں ادویہ بھیجی ہیں اور ساتھ ہی ساتھ اپنی منہیات اور محرمات نازل کر کے ہمیں پرہیز کرنا بھی سکھا دیا ہے تا کہ بیماری کا علاج کما حقہ ہو سکے اور مریض کلی طور پر صحت یاب ہو جائے

جن نفوس قدسیہ نے ضد ہٹ دھرمی اور عناد کو چھوڑ کر قرآن شریف کو اپنا ہادی اور رہنما بنایا وہ اونٹوں کے چرواہوں سے دنیا کے حکمران بن گئے جہالت سے نکل کر علم کے آسمان کے ستارے بن گئے۔

اب ہم قرآن کی طرف رجوع کرتے ہیں تو قرآن کہتا ہے کہ **کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون** یعنی تم پر روزے اسی طرح

فرض کئے گئے ہیں جسطرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تا کہ تم بچے جاؤ یا پرہیز گار بن جاؤ۔ یعنی روزے رکھوانے کا مقصد تمہیں چند باتوں یا چیزوں سے روکنا اور پرہیز کرانا ہے ظاہری روزہ تو کھانے، پینے اور جنسی تعلقات قائم کرنے سے رکنے اور بچنے کا نام ہے لیکن حقیقی روزہ ان تمام ممنوعہ چیزوں سے بچنے کا نام ہے جنہیں عام طور پر بھی کرنے سے منع کیا گیا ہے مثلاً جھوٹ، غیبت، چوری، ڈاکہ زنی، قتل، اغواء، رشوت خوری، ملاوٹ، ٹھگی، عیاری وغیرہ کیونکہ یہ تمام برائیاں روحانی بیماری کو اور بڑھاتی ہیں۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے "جس نے جھوٹ بولنا اور اس پر عمل پیرا ہونا نہ چھوڑا تو اللہ تعالیٰ کو اسکے بھوکا پیاسا رہنے سے کوئی واسطہ یا سروکار نہیں" اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا کہ "روزہ ڈھال ہے" یعنی جسطرح ڈھال تلوار کے وار کو روکتی ہے اسطرح روزہ بھی شیطانی حملوں سے بندے کو روکتا ہے۔

روزے کے بعد نماز کی طرف آئیں تو آپ دیکھیں گے کہ تکبیر تحریمہ کہتے ہی نمازی پر کھانا، پینا، چلنا پھرنا، بولنا چالنا، اپنی مرضی سے اٹھنا بیٹھنا یا کسی کے سلام تک کا جواب دینا غرضیکہ ہر حلال اور جائز کام کرنا حرام ہو جاتا ہے۔ گویا سلام پھیرنے تک ہر چیز سے پرہیز ہو گیا اور اگر پرہیز نہیں کرے گا تو بھول چوک پر سجدۂ سہو ہو گا اور عمداً کرنے سے نماز ہی ٹوٹ جائے گی۔

حج کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل میں چند رسومات کی ادائیگی جنہیں مناسک حج کہا گیا ہے اور چند مقامات مقدسہ کی زیارت ایک خاص لباس اور خاص وضع کے ساتھ۔ اس عمل کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں شعائر اللہ کی تعظیم قرار دیا کہ **ومن يعظم شعائر الله فانها من تقوى القلوب**۔ یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی تعظیم کرتا ہے تو درحقیقت یہی دل کی پرہیز گاری ہے۔ قربانی بظاہر ایک جانور کے ذبیحے کا نام ہے۔ جس کا گوشت ہم کھاجاتے ہیں اسکی کھال سے اشیاء ضرورت بنائی جاتی ہیں۔ لیکن اس جذبے کا اجر ہمیں ملتا ہے۔ جس کے تحت یہ قربانی دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

لن ينال الله لحومها ولا دما ئها ولكن يناله التقوى منكم

یعنی اللہ تعالیٰ کے پاس قربانی کے جانور کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا بلکہ تمہارا تقویٰ یعنی جذبہ،

ایثار اور اسکے حکم کی تعمیل اسکی منہیات سے اجتناب کا جذبہ پہنچتا ہے۔ قربانی کے جانور میں ایسا عیب جس سے اسکی خوبصورتی یا قدر و قیمت متاثر ہو۔ قابل قبول نہیں۔ اسی جذبے کا نام پرہیز گاری ہے۔ عبادات کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو یہ باور کراتا ہے کہ اے میرے بندو بطرح تم عبادت کے اندر پوری طرح میری مرضی کے تابع ہوتے ہو اور ذرا سی کوتاہی بھی نہیں کرتے اسی طرح چوبیس گھنٹے کی زندگی صفت نماز صفت روزہ صفت حج اور صفت زکوٰۃ پر لے آؤ۔ اسلام کا پہلا رکن کلمہ طیبہ اس امر کا برملا اظہار اور اعلان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں الہ کا معنی معبود کیا جاتا ہے یعنی جسکی عبادت کی جائے۔ اور عبادت نام ہے اطاعت کا اور اسی اطاعت کیلئے ہی جن وانس کو پیدا کیا گیا ہے **وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون** حضرت عمر فاروقؓ نے تقویٰ کی وضاحت ایک ایسے شخص کی مثال دے کر کی جو ایک وادی پر خار سے گزرتا ہے۔ اور اپنے لباس کو سمیٹ کر محتاط انداز میں بچتا بچاتا اس وادی کو عبور کرتا ہے۔ اس طرح کہ اس کا لباس اور جسم کانٹوں میں الجھنے اور پھٹنے یا زخمی ہونے سے بچا رہتا ہے۔ ظاہر ہے اس دنیا کی لذائذ اور خدا تعالیٰ کی حرام کردہ اشیاء وہ خاردار جھاڑیاں ہیں جو ایک انسان کو الجھانے کے لیے کافی ہیں۔ اب ایک متقی انسان اس دنیا میں آزادانہ زندگی بسر کرنا کانٹوں میں الجھنے کے مترادف سمجھتا ہے۔ اسی لیے فرمان رسول ﷺ ہے۔ **الدنیا سجن المئومن وجنته الکافر** یعنی دنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے کیونکہ قید خانے میں پابند زندگی گزارنا پڑتی ہے اور کافر کے لیے جنت ہے اس لیے کہ بہشت آنجا کہ آزادے نباشد۔ کسے را با کسے کارے نباشد چونکہ کافر کی زندگی کسی بھی پابندی سے آزاد ہے اس لیے دنیا اسکے لئے جنت ہے۔ قیامت کے دن مومن کی زندگی ہر قسم کے پرہیزوں اور پابندیوں سے آزاد ہوگی حقیقی جنت تو یہی ہے۔

صنوبر باغ میں آزاد بھی ہے پا بہ گل بھی ہے
انہی پابندیوں میں حاصل آزادی کو تو کرلے

حج کا بیان

امام ابو حامد الغزالی

حج اسلام کے بنیادی پانچ ارکان میں سے ایک رکن ہے۔ اور یہ عمر میں ایک بار فرض ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے حج نہ کیا اور اسی حال میں مر گیا اس سے کہہ دو کہ یہودی مرے یا نصرانی (ہمیں کوئی پرواہ نہیں) اور فرمایا جس نے اس طرح حج کیا کہ اس میں گناہ، بیہودہ اور ناشائستہ اعمال و حرکات سے پرہیز کیا تو وہ سابقہ گناہوں سے ایسے پاک ہو جاتا ہے جیسے نومولود بچہ! نیز فرمایا کہ بہت سارے گناہ تو ایسے ہیں کہ میدان عرفات میں کھڑے ہونے کے سوا ان کا کوئی کفارہ نہیں اور ارشاد فرمایا کہ عرفہ کے دن سے زیادہ کسی دن شیطان ذلیل وخوار نہیں ہوتا۔ اس واسطے اللہ تعالیٰ اس دن اپنے بندوں پر بہت رحمت نازل فرماتے ہیں۔ اور بے انتہا کبیرہ گناہ معاف کرتے ہیں۔ آپ نے مزید ارشاد فرمایا کہ جو شخص حج کی فکر میں اپنے گھر سے نکلے اور دوران سفر مر جائے اسے قیامت تک ہر سال ایک حج اور ایک عمرہ کا ثواب حاصل ہوتا ہے۔ اور جو کوئی کعبہ شریف یا مدینہ طیبہ میں پہنچ کر مرے وہ قیامت کے دن حساب کتاب سے پاک ہوگا۔ اور فرمایا کہ ایک حج مبرور دنیا و مافیا سے بہتر ہے اور جنت کے سوا اس کی کوئی جزا نہیں مزید فرمایا کہ اس سے بڑھ کو کوئی گناہ کی بات نہیں کہ آدمی میدان عرفات میں کھڑا ہو اور پھر گمان کرے کہ میں بخشا نہیں گیا۔ علی بن الموفق" ایک بزرگ تھے انہوں نے کہا کہ ایک سال میں نے حج کیا اور عرفہ کی شب دو فرشتے خواب میں دیکھے جو سبز لباس میں ملبوس آسمان سے اترے اور ایک نے دوسرے سے کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ اس سال کتنے لوگوں نے حج کیا دوسرے نے کہا کہ نہیں۔ چنانچہ پہلے نے بتایا کہ امسال چھ لاکھ انسانوں نے حج کیا۔ پھر کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ کتنے آدمیوں کا حج قبول ہوا، اس نے کہا نہیں، پہلے نے کہا صرف چھ آدمیوں کا حج قبول ہوا۔ علیؒ فرماتے ہیں کہ میں ان کی گفتگو سن کر گھبرا کر اٹھ بیٹھا اور انتہائی پریشانی کے عالم میں اپنے ہی جی میں کہنے لگا کہ ان چھ خوش قسمت انسانوں میں میں تو شامل نہیں ہوں گا اسی حالت میں مشعر الحرام پہنچا اور وہیں سو گیا۔ ان دونوں فرشتوں کو پھر وہیں دیکھا کہ آپس میں اس طرح گفتگو کر رہے ہیں۔ اس وقت ایک نے دوسرے سے کہا تمہیں معلوم ہے کہ آج کی رات اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے بارے میں کیا حکم دیا ہے؟ دوسرے نے کہا نہیں پہلے نے کہا ان چھ آدمیوں کے طفیل ان چھ لاکھ کو بخش دیا گیا۔ تب میں نیند سے بیدار ہوا اور اللہ تعالیٰ کا شکر بجا

(۱۱)۔ جناب رسالت مآب ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ہر سال چھ لاکھ بندے حج کے ذریعے سے خانہ کعبہ کی زیارت کریں گے۔ اگر کم ہوئے تو فرشتے بھیج دیے جائیں گے تاکہ وعدہ پورا ہو جائے اور کعبۃ اللہ پہلی رات کی دلہن کی مانند سنوارا جائے گا اور حجاج اس کے گرد پھرتے ہوں گے اور اس کے پردوں پر ہاتھ مارتے ہوں گے یہاں تک کہ کعبہ شریف جنت میں داخل ہو جائے گا اور لوگ بھی اس کے ساتھ جنت میں جائیں گے۔

حج کی شرائط کا بیان

جو شخص وقت پر حج کرے گا اس کا حج درست ہوگا۔ شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کے نو دن حج کا وقت ہے۔ جب عید الفطر کی صبح طلوع ہو اس وقت سے حج کے واسطے احرام باندھنا درست ہے اگر اس سے پہلے احرام باندھا تو وہ عمرہ ہوگا۔ باشعور لڑکے کا حج درست ہے اور اگر بچہ شیر خوار ہو اور اس کی طرف سے اس کا ولی احرام باندھے اور اسے عرفات میں لے جائے اور سعی و طواف کرے درست ہے گویا حج کی درستگی کی شرط فقط وقت ہے۔ لیکن حج ساقط اور فرض ادا ہونے کی پانچ شرطیں ہیں۔ (۱) مسلمان ہونا (۲) آزاد ہونا (۳) بالغ ہونا (۴) عاقل ہونا (۵) وقت پر احرام باندھنا۔ اگر نابالغ احرام باندھے اور عرفات پر کھڑا ہونے سے پہلے بالغ ہو جائے یا لونڈی غلام آزاد ہو جائے تو حج ادا ہو جائے گا۔ فرض عمرہ کی ادائیگی کے لئے بھی یہی شرائط ہیں۔ لیکن عمرہ کا وقت پورا سال ہے۔ دوسرے کی طرف سے نیابتہ حج کرنے کی شرط یہ ہے کہ پہلے اپنا فرض ادا کیا ہو اگر اپنا فرض ادا کرنے سے پہلے دوسرے کی طرف سے حج کی نیت کرے گا تو اسی حج ادا کرنے والے کی طرف سے ادا ہوگا۔ اور دوسرے کی طرف سے ادا نہ ہوگا۔ پہلے اپنا حج چاہیے پھر قضا پھر نذر پھر حج نیابت۔ اسی ترتیب سے ادائیگی ہوگی اگرچہ نیت اس کے خلاف کرے۔ اور حج واجب ہونے کی شرائط یہ ہیں اسلام، بلوغت، آزادی، استطاعت، استطاعت کی دو قسمیں ہیں، ایک تو یہ کہ آدمی توانا ہو کہ اپنے بھروسے پر حج کر سکے اس استطاعت کی مدار تین چیزوں پر ہے۔ تندرستی، راستے کا امن یعنی راستے میں کوئی خطرناک دریا یا دشمن جان و مال نہ ہو تیسرے اتنا مال اگر قرضدار ہے تو قرض ادا کر کے آنے جانے کے ذاتی مصارف اور واپسی تک اہل و عیال کے نان و نفقہ کو کفایت کر سکے۔ اور یہ بھی لازم ہے کہ سواری کا کرایہ اس کے پاس ہو تاکہ پیدل نہ چلنا پڑے۔ دوسری قسم یہ ہے کہ اپنے ہاتھ پاؤں سے حج نہ کر سکے مثلاً فالج زدہ ہے یا ایسا صاحب فراش کہ صحت مند ہونے کی امید نہیں مگر بہت نادر! ایسے شخص کی استطاعت یہ ہے کہ اس کے

پاس اتنا مال ہو کہ ایک وکیل کو اجرت دے کر روانہ کر سکے کہ جا کر اس کا حج کرے اور اگر اس کا بیٹا اس کی طرف سے مفت حج کرنے پر راضی ہو تو اسے اجازت دیدے کیونکہ باپ کی خدمت عزت وشرف کا باعث ہے۔ اور اگر بیٹا یوں کہے کہ میں مال دیتا ہوں کسی کو بھیج دیں تو قبول نہ کریں کیونکہ یہ احسان ہوگا۔ اور اگر کوئی غیر اس کی طرف سے مفت حج کرے تب بھی اس کے احسان سے بچے۔ جب آدمی کو استطاعت حاصل ہو جائے تو جلدی فرض ادا کرے تاخیر بھی درست ہے لیکن خطرات سے خالی نہیں۔ اگر دوسرے سال حج کرنے کی توفیق حاصل ہوئی تو بہتر اگر تاخیر کرتے کرتے مر گیا اور حج نہ کر سکا تو گنہگار ہوگا۔ پھر اس کے ترکہ سے نیابتہً حج کرانا چاہئے۔ اگر چہ اس نے وصیت بھی نہ کی ہو۔ اس لئے کہ یہ اس پر قرض ہے۔ حضرف امیر المومنین عمر فاروق اعظمؓ نے فرمایا کہ میرا ارادہ ہے کہ میں دوسرے شہروں میں حکم ارسال کروں کہ جو صاحب استطاعت حج نہیں کرتا اس سے جزیہ لیا جائے۔

حج کے ارکان کا بیان

حج کے ارکان جن کے بغیر یہ درست نہین ہوتا پانچ ہیں۔ احرام، طواف، سعی، عرفات میں کھڑا ہونا اور ایک قول کہ مطابق بال منڈوانا۔ اور وہ واجبات جن کے ترک سے حج باطل تو نہیں ہوتا لیکن ایک بکرا ذبح کرنا لازم ہے چھ ہیں۔ میقات میں احرام باندھنا اگر وہاں سے بغیر احرام گزر گیا تو ایک بکرا ذبح کرنا واجب ہوگا۔ سنگریزے مارنا، غروب آفتاب تک عرفات میں ٹھہرنا۔ رات کو مزدلفہ میں قیام کرنا۔ اسی طرح منیٰ میں قیام کرنا اور طواف وداع کرنا۔ ایک قول کے مطابق پچھلے چار واجبات ترک کرنے سے بکرا ذبح کرنا واجب نہیں ہوگا ہاں سنت ضرور ہے۔ حج ادا کرنے کی تین صورتیں ہیں، افراد قران اور تمتع۔ افراد سب سے بہتر ہے جیسے پہلے اکیلا حج کرے پھر مناسک حج سے فارغ ہو جائے تو حرم سے باہر آ کر عمرہ کا احرام باندھے اور عمرہ کے مناسک پورے کرے عمرہ کا احترام تنعیم کے بجائے صعرانہ میں باندھنا زیادہ بہتر ہے جبکہ حدیبیہ کے بجائے تنعیم میں افضل ہے اور تینوں مقام سے باندھنا سنت ہے۔ قران کی صورت یہ ہے کہ حج اور عمرہ کی نیت اکٹھی کرے اور کہے اللھم لبیک بحج و عمرۃ تا کہ دونوں کا احرام بیک وقت ہو جائے۔ جب حج کے اعمال بجالائے گا اس پر ایک بکرے کی قربانی لازم ہوگی۔ لیکن مکہ معظمہ کے رہنے والوں پر لازم نہیں اس واسطے کہ اس پر میقات سے احرام باندھنا ہی ضروری نہیں بلکہ اس کے احرام فرائض سنن اور آداب کو سمجھنا لازم

ہے۔ جو شخص عبادت کو عادت بنا لے اس کے نزدیک فرائض سنن اور آداب سب برابر ہوں گے۔ کیونکہ آدمی مقام محبت میں نوافل اور سنن کے ذریعے پہنچتا ہے جیسا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں فرائض ادا کرنے کی وجہ سے بندوں کو میرا بے شک تقرب حاصل ہوتا ہے۔ اور جو حقیقی معنوں میں میرا بندہ ہوگا وہ نوافل اور سنن کے ذریعے میرے تقرب سے کبھی سیر نہ ہوگا یہاں تک کہ اس مرتبہ کو پہنچ جائے کہ میں اس کے کان، ہاتھ، آنکھ اور پاؤں بن جاؤں وہ مجھ سے سنے مجھ ہی سے دیکھے مجھ ہی سے لے اور مجھ ہی سے کہے اس لئے عبادت کے سنن و آداب بجالانا از بس ضروری ہے۔

سامان سفر اور راستہ کے آداب

حج کا ارادہ کرنے سے پہلے توبہ کر لے قرض ہو تو وہ ادا کرے اہل و عیال اور جس کسی کا نفقہ اس کے ذمہ ہو وہ ادا کرے۔ وصیت نامہ لکھے حلال کی کمائی سے زاد راہ کا انتظام کرے اور جس مال میں شبہ ہو اس سے پرہیز کرے اس لئے کہ مشتبہ مال خرچ کرنے سے پہلے راستہ کی سلامتی کے لئے کچھ نہ کچھ صدقہ ضرور دے۔ اچھا اور تیز جانور حاصل کرے اور جتنا سامان لے کر جانا چاہتا ہو وہ جانور کے مالک کو دکھا دے تاکہ بعد میں بدمزگی پیدا نہ ہو اور اچھے نیک اور تجربہ کار رفقا سفر کی تلاش کرے تاکہ دین کے مصالح اور راستہ کی اونچ نیچ میں اس کے مددگار ثابت ہو سکیں۔ احباب کو الوداع کہے اور ان سے دعائے خیر کی استدعا کرے اور ہر ایک سے کہے **استودع الله دینك واما نتك و خواتم عملك**) اور یہ جانے والے اس واسطرح جواب دیں **فی حفظ اللہ دکنفه وزودك الله التقوی و جنبك تردی و غفر ذنبك وو جهك للخير اينما توجهت** جب گھر سے نکلنے لگے تو دو رکعت نماز پڑھ لے پہلی رکعت میں سورۃ کافرون اور دوسری رکعت میں سورۃ اخلاص پڑھے اور کے بعد یہ دعا پڑھے۔ **اللهم انت الصاحب فی السفر انت الخليفة فيالاهل والمال احفظنا و ايا هم من كل آفة للهم انا نسئلك فی مسيرنا هزا البر و التقوی و من العمل ما ترضی** جب گھر کے دروازے پر پہنچے تو یہ دعا پڑھے **بسم الله توكلت علی الله لاحول ولا قوة الا باالله اللهم بك انتشرت وعليك توكلت** کی جگہ خود مکہ معظمہ ہے۔ جو شخص قران کرے اگر وہ عرفات میں ٹھہرنے سے پہلے

طواف اور سعی کرے گا تو یہ سعی حج اور عمرہ دونوں میں شمار ہو گی لیکن قیام عرفات کے بعد طواف لوٹانا چاہئے اس لئے کہ طواف رکن کی یہ شرط ہے کہ وہ قیام عرفات کے بعد ہو۔ اور تمتع یہ ہے کہ میقات سے عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ معظمہ میں جائے اور وہاں جا کر احرام ختم کر دے اور حج کے وقت مکہ میں اس کا احرام باندھ لے ایسے شخص پر ایک بکرا کی قربانی لازم ہے اور جو ایسا نہ کر سکے تو عید الاضحیٰ سے پہلے تین روزے رکھے متفرق طور پر یا متواتر طور پر۔ اور جب وطن پہنچے تو سات روزہ رکھے اور جو شخص قران میں بکرے کی قربانی نہ دے سکے تو وہ بھی اس طرح دس روزے رکھے۔ تمتع کی قربانی اس شخص پر لازم آتی ہے جس نے عمرہ کا احرام شوال، ذیقعدہ یا ذوالحجہ کے عشرے میں باندھا ہو یا حج کو زحمت کہا ہو اور اس کا احرام اپنے میقات سے نہ باندھا ہو اگر وہ مکہ معظمہ کا رہنے والا ہے یا مسافر ہے اور حج کے وقت میقات پر گیا اور اتنی مسافرت اختیار کی تو اس پر بکرا واجب نہ ہو گا۔ حج میں چھ چیزیں منع ہیں۔ (۱) لباس پہننا کیونکہ احرام میں روائتی لباس نہیں پہننا چاہئے بلکہ ایک تہہ بند اور چادر کرتے کی جگہ ایک نعلین پر اکتفا کرے اگر نعلین میسر نہ ہوں تو کفش ہی درست ہے اور تہہ بند نہ ہو تو ازار پر یہ گزارہ کرے۔ سات اعضاء کو تہہ بند سے ڈھانپنا چاہئے لیکن سر کھلا رکھے اور عورت عادت کے مطابق لباس پہنے ہاں منہ بند نہ کرے اگر وہ محمل یا سائبان میں ہو تو پھر درست ہے (۲) دوسرے خوشبو استعمال کرنا۔ اگر خوشبو استعمال کی یا لباس پہنا تو ایک بکرا دینا ہو گا۔ (۳) تیسرے بال منڈوانا ناخن کٹوانا۔ ایسا کرنے سے بھی ایک بکرا واجب ہو گا، حمام جانا، فصد کھلوانا، پچھنے لگوانا اور اس طرح بال کھولنا کہ اکھڑنے نہ پائیں درست ہے (۴) چوتھے جماع کرنا، اگر جماع کرے گا تو ایک اونٹ یا ایک گائے یا سات بکرے واجب ہوں گے حج فاسد ہو جائے گا اور قضاء لازم ہو گی۔ لیکن اگر پہلی مرتبہ احرام سے آزاد ہو کر جماع کیا تو ایک اونٹ واجب ہو گا اور حج فاسد نہ ہو گا۔ پانچویں دواعی جماع مثلاً بوس و کنار سے احتراز کرے اور جو چیز عورت و مرد کے باہمی لمس و مس میں ناقص طہارت ہو اس میں عورت سے مزہ اٹھانے میں ایک بکرا واجب ہوتا ہے۔ احرام میں نکاح نہ کرے۔ اس وجہ سے نکاح میں بکرا لازم نہیں آئے گا (۶) چھٹے شکار نہ کرنا چاہئے ہاں دریائی شکار درست ہے اگر خشکی میں شکار کیا تو اس کی مثل بکرا گائے اونٹ لازم ہو گا یعنی جس بہتر جانور سے وہ شکار مشابہ ہو گا ایسا جانور بطور تاوان قربان کریگا۔

ھمارے مذھبی راھنما

مولانا شاہ محمد جعفر پھلواری

یہ بالکل صحیح ہے کہ قوم جیسی ہوتی ہے ویسے ہی اُس کے رہبر ہوتے ہیں۔ جیسا دودھ ویسا مکھن۔ اور یہ بھی درست ہے کہ جیسے رہبر ہوں گے ویسے ہی قوم بھی ہوگی۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے کہ دانت خراب ہونے سے معدہ خراب ہوتا ہے اور معدہ خراب ہو تو دانتوں میں خرابی آتی ہے۔ بایں ہمہ اس چکر کا کہیں نہ کہیں سے آغاز ضرور ہوتا ہے۔ ہمارا غالب رجحان یہ ہے کہ قوم اور اس کے مقتداؤں میں اولیت مقتداؤں کو حاصل ہوتی ہے۔ یعنی آغاز کار رہبروں سے ہوتا ہے کیونکہ ہی اپنے طرز عمل سے افراد کو راستہ دکھاتے ہیں اور وہ اس پر چل پڑتے ہیں۔ راہنما صحیح یا غلط راستہ دکھانے میں کامیاب ہوتے ہیں یا نہیں؟ یہ ایک الگ مسئلہ ہے لیکن ابتدائے کار انہیں سے ہوتی ہے۔ اس لئے اچھے اور برے نتائج کی ذمہ داری بھی افرادِ قوم سے زیادہ ان کے رہبروں پر ہوتی ہے۔ راہنمائی تو کرتے ہیں مقتدا اور قوم کرتی ہے اقتدا اس کے بعد کوئی نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔ اس کی ذمہ داری دونوں پر عائد ہوتی ہے۔ تقلید کرنے والوں میں کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو غلط راہنمائی کو سمجھنے کے باوجود تعاون کرتے ہیں اور زیادہ تر ایسے لوگ ہوتے ہیں جو اپنی سادہ لوحی کی وجہ سے حقیقت حال کو نہیں سمجھتے اور نیک نیتی سے غلط راہنمائی کا ساتھ دیئے چلے جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ پہلی قسم کے مقلد خراب نتائج کے زیادہ ذمہ دار ہوتے ہیں۔ راہنمائی کسی خاص شعبے تک محدود نہیں ہوتی بلکہ ہر شعبہ حیات میں اس کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس میں مذہبی زندگی بھی شامل ہے اور مذہبی امور میں مقتداؤں کی راہنمائی پر غور کرتے ہوئے اس کلیے کو ملحوظ رکھنا لازمی ہے۔

راعی اور رعایا

کلکم راعٍ و مسئول عن رعیتہ

تم میں سے ہر شخص راعی ہے اور ہر راعی سے اُس کی رعیت کے بارے میں باز پرس ہوگی۔

اور اس کے بعد ہی حضورؐ نے راعی اور رعایا کی کچھ تفصیلات بھی بیان فرمائیں جو یہ ہیں۔

فالامام راعٍ و مسئول عن رعیتہ ، والرجل راعٍ فی اھلہ و مسئول عن رعیتہ والمراۃ فی بیت زوجھا راعیۃ و مسئولۃ عن

زعیتھا والخادم فی مال سیدہ راع و ھو مسئول عن رعیتہ

لہٰذا امام راعی ہے اور اس سے اس کی رعیت (باشندگان مملکت) کے بارے میں باز پرس ہو گی۔ مرد اپنے بال بچوں کا راعی ہے اور اس سے اسی رعیت کی باز پرس ہوگی۔ عورت بھی اپنے شوہر کے گھر کی راعی ہے اور اس سے اسی رعیت کے متعلق باز پرس ہوگی۔ نوکر بھی اپنے مالک کے مال کا راعی ہے اور اس سے اسی رعیت کی باز پرس ہوگی۔

راوی (حضرت عبداللہ بن عمرؓ) فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے شاید یہ بھی فرمایا ہے کہ۔

والرجل فی مال ابیہ راع و مسئول عن رعیتہ

آدمی اپنے باپ کے مال کا بھی راعی ہے اور اس سے اس کے بارے میں باز پرس ہوگی۔

اس کے بعد حضورؐ نے اس کلیے کو پھر زیادہ زوردار طریقے سے یوں دہرایا۔

فکلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ۔

غرض تم سب کے سب راعی ہو اور تم سب سے اپنی اپنی رعیت کے بارے میں باز پرس ہو گی۔ (رواہ البخاری و مسلم و ابوداؤد و ترمذی)

راعی کے معنی ہیں چرواہا اور رعیت کہتے ہیں چرنے والے جانور کو۔ راعی کا فرض ہے کہ وہ اپنے جانوروں کو بھٹکنے نہ دے۔ دوسرے کی چراگاہ میں نہ جانے دے۔ کسی خطرے کی طرف نہ جانے دے۔ بیرونی خطروں سے محفوظ رکھے اور پیٹ بھر کر چرنے دے۔ غرض پوری نگہداشت، حفاظت اور محبت سے فرائض انجام دے۔ پس جو شخص جن چیزوں کا ذمے دار ہے وہ ان کا راعی ہے اور وہ چیزیں اس کی رعیت باشندگان مملکت کا ذمے دار امام یا امیر ہے۔ عورتوں بچوں کی ذمہ داری مردوں پر ہے، گھر کی ذمہ داری عورت کے سپرد ہے اور خادم یا فرزند (جس کے سپرد مال ہو) اس مال کا ذمے دار ہے۔ غرض ہر راعی سے اس کی رعیت کے بارے میں باز پرس ہوگی۔ "باز پرس" کا یہ مطلب نہیں کہ صرف قیامت میں ہوگی بلکہ مسئول کے معنی یہ ہیں کہ وہ ذمے دار اور جواب دہ ہے اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

رعایا بھی مسئول ہے۔

اس حدیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ افراد کی اچھائی یا برائی کے ذمے دار وہ رہبر ہیں جو اس کے راعی و مسئول ہیں اور جو نتیجہ پیدا ہوتا ہے اس کے جواب دہ بھی وہی ہیں، لیکن اس کا یہ

مطلب نہیں کہ رعیت اس کی ذمہ داری سے بالکل بری ہے، رعیت اگر صاحب عقل ہے تو غلط اقتدار کی ذمہ داری اس پر بھی ہوگی۔ البتہ عقل اور نیت کے تفاوت سے ذمے داری میں بھی تفاوت ہوگا۔

قرآنی نقطہ نگاہ اس معاملے میں یوں ہے۔

وقالو ربنا انا اطعنا ساوتنا و کبراء نا فاضئونا السبیلا۔ (۳۳۔۶۷)

اہل کفر کہیں گے کہ اے ہمارے رب ہم نے تو اپنے سرداروں اور بڑوں کی پیروی کی۔ بس اُنہوں نے ہمیں راستے سے بھٹکا دیا۔

اِس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اگر چہ گمراہ طبقہ یہی عذر پیش کرے گا کہ ''ہمیں گمراہ کرنے والے یہی بر خود غلط راہنما ہیں۔ اور ہماری غلطی صرف یہ ہے کہ ان کی مانتے چلے گئے۔ لیکن محض اتنے سے عذر سے کوئی گمراہ نتائج بھگتنے سے نہیں بچ سکے گا۔ اگر اوپر کی درج کردہ حدیث اور اس آیت قرآنی کو ملا کر دیکھئے تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ راعی اور رعایا۔۔۔۔ دوسرے لفظوں میں مقتداء اور مقلد۔۔۔۔ دونوں ہی ذمے دار اور جواب دِہ ہیں۔ اگر صحیح رہنمائی ہے تو دونوں ہی کو اِس کا کریڈٹ ملے گا اور غلط راہنمائی ہے تو نتائج بھگتنے میں دونوں شریک ہوں گے۔ راہنما اِس لئے کہ اُنہوں نے غلط راستہ دکھایا اور قوم اِس لئے کہ اِس نے اِس غلط راستے کو اختیار کیا۔

بایں ہمہ یہاں سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ ابتدائے کار راہنماؤں کی طرف سے ہوتی ہے اور قوم تعاون کر کے اسے انجام تک پہنچاتی ہے۔ لہٰذا ہمارے نزدیک مقتداؤں کو بہر نو تقدم واولیت حاصل ہے۔ اور اِن کی ذمہ داریاں مقلدوں کی بہ نسبت کچھ زیادہ ہیں۔ مقلد خواہ ان کی بات مانے یا نہ مانے اور مان لینے کے بعد حاطر خواہ نتائج برآمد ہوں یا نہ ہوں۔ بہر صورت مقتداؤں کو مقلدوں سے زیادہ خوف عواقب چاہیے۔ کیونکہ عوام کی اصابت وخطا مقتداؤں کی اصابت وخطا پر منحصر ہے۔ راہنما کی ذمہ داری زیادہ ہے۔

کہتے ہیں کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے سامنے سے ایک بدمست لڑکھڑاتا ہوا گذرا آپ نے آواز دی کہ۔ اے او بدمست ذرا سنبھل کہ چل ورنہ اُلٹ کر کہیں گر پڑے گا۔ اُس نے کہا کہ عبدالقادر! تم سنبھلے رہو۔ میرا کیا ہے؟ اگر میں اُلٹا تو تنہا میں الٹوں گا۔ اور اگر تم اُلٹے تو سارا

بغداد ہی اُلٹ جائے گا۔۔۔۔ یہ واقعہ صحیح ہو یا نہ ہو لیکن بات بڑے مزے کی ہے۔ عام افراد کی غلطی محدود ہوتی ہے۔ مگر خواص کی غلطی محیط اثر رکھتی ہے۔ عوام میں اگر خطا وثواب کا شعور ہوتو وہ عوام ہی کیوں رہیں اور غلطی ہی کیوں کریں؟ اِن بے چاروں میں اتنا شعور نہیں ہوتا۔ ان میں شعور پیدا کرنا مقتداؤں کا کام ہے۔ وہی راستہ سمجھاتے ہیں اور مقلد اُسے اختیار کر لیتے ہیں۔

اختلاف مقاصد

اِس وقت ہماری قوم کے مذہبی مقتداء مختلف طبقوں میں منقسم ہیں۔ اِن میں سب سے بڑی کمزوری تو یہ ہے کہ باہم تعاون واعتماد نہیں۔ اِس عدم تعاون اور باہمی بے اعتمادی کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ وحدت فکر مفقود ہے۔ وحدت فکر ہمیشہ اِس وقت پیدا ہوتی ہے جب نصب العین (مقصد حیات) میں وحدت ہو۔ نصب العین اِس واحد مقصد زندگی کو کہتے ہیں جس سے آگے اور جس کے علاوہ اور کوئی مقصد نہ ہو سکے۔

اِختلاف کو ذریعہ اتحاد بنانا۔

فرض کیجئے ایک گھر کے افراد یہ عہد کرتے ہیں کہ ہم بہر صورت اِس گھر کے اندر خوشگوار فضاء قائم رکھیں گے اور اِسے خوش اسلوبی سے چلائیں گے۔ تو جب وہ افراد خانہ سچے دل سے اسے مقصد بنالیں گے تو ہر اُس فرعی اختلاف کو جو اِس مقصد سے ٹکرائے دبا دیں گے پسند و ناپسند کا اختلاف تو ہر صورت رہے گا کیونکہ یہ تقاضائے فطرت ہے۔ ترک واختیار کا انفرادی فرق مٹایا نہیں جا سکتا لیکن اِس کثرت میں ایک ایسی وحدت ضرور پیدا کی جا سکتی ہے جو نہ فقط یہ کہ اِس کو دبا دے بلکہ اِس اختلاف کو مقصد کی تکمیل میں معاون بنا دے۔ اور جس طرح " گلہائے رنگ رنگ سے ہے زینت چمن " اِسی طرح افراد کے مختلف اذواق کو زینت مقصد کا ذریعہ بنادے۔ یہ ایک چابک دست باغبان کا کام ہے کہ مختلف رنگ وشکل کے پھولوں کو یکجا کر کے ایک حسین گلدستہ بنادے۔ ایسا گلدستہ جس کا ہر پھول اِس گلدستے کی زینت قائم کرنے میں یکساں شریک ہو۔ جو مقتداء عوام کی تمام صلاحیتوں کو اختلاف مذاق کے باوجود ایک نصب العین کے پیچھے لگا دے وہی اِس باغ کا مالی ووالی ہے۔

راہنماؤں کی اقسام

ہماری قوم میں دینی راہنما تو بہت ہیں لیکن کسی ایک سلسلے میں منسلک نہیں ان میں وحدت

نہیں۔ یہی حال ''اہل روحانیت'' کا بھی ہوا کہ انہوں نے بعض اقدار کی محافظت کے نام سے ایک الگ خانقاہ کھول لی اور اپنے حلقے کو لے کر دنیاداری کے کاموں سے انقطاع کرلیا اور یہ سمجھ لیا کہ ترک دنیا کر کے آخرت حاصل کر لی جائے گی۔ وہ یہ نہ سمجھے کہ۔

یہ حکمت ملکوتی یہ علم لاہوتی
حرم کے درد کا درماں نہیں تو کچھ بھی نہیں
یہ ذکر نیم شبی ، یہ مراقبے، یہ سجود
تری خودی کے نگہباں نہیں تو کچھ بھی نہیں
زباں نے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

(اقبالؒ)

ہم یہ نہیں کہتے کہ اِن حلقوں کے سربراہوں کے اندر مخصوص صلاحیتیں نہیں۔ وہ بڑی اعلیٰ صلاحیتیں رکھتے ہیں لیکن وہ بہر حال جزئی ہیں۔ ایسی کلی نہیں جو دوسری صلاحیتوں سے بے نیاز کر دیں۔ معاشرے کی تعمیر کے لئے صرف ایک یا چند ہی صلاحیتیں درکار نہیں۔ بہت سی صلاحیتیں مطلوب ہیں۔ اگر وہ سب ایک وحدت کی شکل میں بروئے کار آئیں تو ایک اور ایک مل کر یقیناً گیارہ ہو جائیں گے۔

انفرادیت کے اسباب!

انقطاعی یا انفرادی طرز زندگی کے جو اسباب ہوتے ہیں وہ عموماً یہ ہیں:۔

(۱) (احساس شکست خوردگی۔۔۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ جب اپنے اندر انسان قوتِ مقابلہ نہیں پاتا۔۔۔ خواہ مادی طاقت سے ہو یا علمی قوت سے۔۔۔ تو اپنی ٹولی الگ بنالیتا ہے۔ اس میں فراریت ہوتی ہے اور اسی فرار میں اپنی محافظت و بقا نظر آتی ہے۔

(۲)۔ مایوسی۔۔ یعنی اِنسان جس تصور کا قیام چاہتا ہے اس کے متعلق وہ متعلقہ افراد سے مایوس ہو جاتا ہے اور اپنی جماعت الگ بنالیتا ہے اس میں بھی سعی پیہم سے گریز کا جذبہ ہوتا ہے۔

(۳)۔غرور یعنی اپنے متعلق مغالطہ نفس۔گویا وہ سمجھتا ہے کہ ہمارے پاس جو کچھ بھی ہے وہ ایسا جامع ہے کہ اس کے بعد کسی چیز کی ضرورت نہیں۔اسی اساس پر وہ الگ گروہ بندی کر لیتا ہے

(۴) ہوس اقتدار۔اس سے یہ مراد ہے کہ ایک انسان یہ محسوس کرتا ہے فلاں تنظیم میں شامل رہنے سے میری ہستی نمایاں نہیں رہے گی یا لیڈر شپ دوسروں کے حصے میں آ جائے گی۔اس جذبے سے وہ کوئی نہ کوئی نکتہ نکال کر ایک علیحدہ گروہ قائم کر لیتا ہے۔

(۵) محض فتنہ پسندی یا بے وقوفی۔۔۔اس میں دراصل کوئی معقولیت نہیں ہوتی۔لیکن اپنے طرز عمل کو حق بجانب ثابت کرنے کے لئے کئی نکات پیدا کر لئے جاتے ہیں۔یہ عموماً کسی کی انگیخت پر ہوتا ہے جس سے آگے چل کر کوئی صلہ ملنے کی توقع ہو۔

غرض اسی قسم کے اسباب ہوتے ہیں جن سے گروہ اور پھر گروہ در گروہ بنتے ہیں۔اور غالباً تمام قوموں سے زیادہ اہل اسلام اس کا شکار ہوئے ہیں۔یہ تفریق کبھی سیاست کی وجہ سے ہوئی اور کبھی مذہب کے نام پر۔اختلافات اصولی بہت ہی کم نظر آئیں گے۔زیادہ تر یہ تفریقات فروع سے شروع ہوئے اور فروع نے فروغ پا کر اصول کی جگہ حاصل کر لی۔یہ ایک عام قاعدہ ہے کہ جب فروع پر زیادہ زور دیا جائے تو اصول گم ہو جاتے ہیں۔اتحاد عمل بہر حال اصول ہی پر قائم رہنا چاہیے۔لیکن یہ فروعی اختلافات کے ہنگاموں میں ایسا گم ہو جاتا ہے کہ اتحاد اگر محال نہیں تو دشوار تو ضرور ہو جاتا ہے۔

لایعنی مسائل کی مصیبت

ایک بڑی مصیبت یہ ہوئی ہمارے معاشرے میں اتحاد عمل کو پارہ پارہ کرنے والے اختلافات کوئی اہم مسائل نہ تھے۔بعض بالکل بے ضرورت اور بعض قطعاً فروعی و جزوی۔ ''مسائل'' دراصل وہ ہیں جن کو ہم مسائل زندگی کہتے ہیں نہ کہ وہ جن کا تعلق نہ عملی زندگی سے ہے اور نہ آخرت میں اس کے متعلق کوئی باز پرس ہوگی۔مثلاً معاشرے میں کبھی ایک علمی مسئلہ خواہ مخواہ چھڑ گیا کہ خدا جھوٹ بول سکتا ہے یا نہیں؟ تو اولاً تو اس لایعنی مسئلے کی قوم کو دنیا و آخرت میں کوئی ضرورت ہی نہیں۔اس لئے اس پر کسی قسم کی گفتگو ہی بے ضرورت تھی۔لیکن اس پر مکالمے اور

مناظرے شروع ہو گئے اور دو مکاتب فکر سامنے آ کر قوم دو گروہوں میں منقسم ہو گئی۔ اس کا آسان حل یہ تھا کہ بھئی مسئلے کہ نوعیت کچھ بھی ہو آؤ ہم تم جھوٹ نہ بولا کریں اور سچائی کا ساتھ دیں۔ اور اس باب میں باہمی تعاون سے کام لیں اور دروغ کا فروغ نہ ہونے دیں۔ اسی طرح اس بحث کو ترک کر دیں کہ قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق ہے۔ آؤ ہم سب مل کر قرآن کو اپنی عملی زندگی میں سمو لیں۔ یوں ہی اس مسئلے پر گفتگو نہ کریں کہ حضورؐ کو خدا نے عالم الغیب بنایا تھا یا نہیں۔ بس آؤ ہم اپنے علم و فن میں بیش از بیش اضافہ کرتے جائیں۔ سیدنا مسیحؑ زندہ ہیں یا نہیں؟ اس سے ہمیں کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ ہمارا فائدہ اس میں ہے کہ ہماری قوم خود زندہ ہو۔ امام مہدی ابھی تک غار سامرہ میں چھپے بیٹھے ہیں یا نہیں؟ اس سے قوم کو کوئی فائدہ نہیں۔ قومی مفاد اس میں ہے کہ ہر فرد اپنے طرز عمل سے نگاہِ خداوندی میں ہادی و مہدی قرار پائے۔ خلافتِ رسول کے اصل مستحق حضرت ابوبکرؓ تھے یا حضرت علیؓ؟ اب اس بحث میں کوئی فائدہ بجز تفریق کے حاصل نہیں۔ اس وقت ہمارا کام یہ ہونا چاہیے کہ دنیا میں نظام خلافت قائم ہو۔

اِن ذہنی عیاشیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک فرقہ دوسرے فرقہ کے پیچھے نماز نہیں ادا کر سکتا اور مساجد اللہ میں بھی تفریق ہو گئی ہے۔ ایک گروہ دوسرے گروہ کی نماز جنازہ نہیں پڑھتا، بلکہ ایک پارٹی دوسری پارٹی کو خارج از اسلام تصور کرتی ہے، ہماری تاریخ ایسے قتال و جدال کی داستانوں سے رنگین ہے جن کی بنیاد اِس قسم کے غیر ضروری اور اختلافی مسائل پر رکھی گئی تھی۔ دوسرا نقصان یہ ہوا کہ مسائل کی غیر ضروری موشگافیوں کی عادت پڑ گئی۔ پاکستان کے ایک مشہور شہر میں کچھ عرصہ قبل یہ بحث چھڑ گئی تھی کہ اصحاب کہف کے کتے کا رنگ سفید تھا یا سیاہ۔ ہندوستان کے ایک شہر میں اہل علم کے درمیان اِس مسئلے پر مناظرہ ہوا کہ براق کا گوشت حلال ہے یا حرام۔ سبحان اللہ وبحمدہ۔

جب اِس قسم کے لایعنی مسائل چھڑ کر فرقہ بندیاں پیدا ہو جائیں تو روحِ تعاون بالکل ختم ہو جاتی ہے اور اجتماعیت کی اسپرٹ گیس بن کر اُڑ جاتی ہے اور یہ تقریباً محال ہو جاتا ہے کہ ایک فرد دوسرے فرد کی یا ایک فرقہ دوسرے فرقے کی صلاحیتوں سے فائدہ اُٹھائے یا اپنی صلاحیتوں

سے دوسروں کو فائدہ پہنچائے پھر وہ گویا ایسے نابینا اور ایسے لنجے بن جاتے ہیں جو آگ لگنے پر بھی افادہ واستفادہ کے فلسفے پر عمل کرنے سے قاصر ومحروم رہتے ہیں۔ اور جل مرنا انہیں زیادہ عزیز ہوتا ہے۔

قرآنی ہدایت!

قرآن نے اسی کافرانہ ومشرکانہ انداز زیست سے یوں روکا ہے کہ :۔

اِن الذین فرقوا دینهم و کانوا شیعا لست منهم فی شی۔

جو لوگ دینی فرقے اختیار کر کے گروہ گروہ ہو جاتے ہیں اے رسول تمہارا اُن سے کچھ واسطہ نہیں۔

نیز یہ بھی فرمایا کہ

ولا تکونوا من المشرکین ٥من الذین فرقوا دینهم و کانوا شیعا۔

دیکھو مسلمانو! تم اُن مشرکین کی طرح نہ ہو جانا جو دینی فرقے بندیاں پیدا کر کے گروہوں میں منقسم ہو گئے۔

اِن دونوں تہدید آمیز آیتوں پر غور کیجئے۔ اِن میں دینی فرقے بندی کو کفر اور شرک دونوں ہی قرار دیا گیا ہے۔ دینی فرقے بندی کا مفہوم یہ ہے کہ ایک فرقے کی ہر بات کی حمایت اور دوسرے کی ہر چیز کی مخالفت ضروری سمجھ لی جائے۔ اِسی طرح کی حماقت و مخالفت کسی دلیل یا معقولیت کی بناء پر نہیں ہوا کرتی بلکہ اِس میں صرف عصبیت کارفرما ہوتی ہے اور اِسی کا نام قرآنی اصطلاح میں **حمیة الجاهلیه** ہے۔

اجتماعیت اور تفریق دو متضاد جذبے ہیں جو ایک جگہ کبھی جمع نہیں ہو سکتے اِس لئے یہ ممکن ہی نہیں کہ قرآن دونوں کی تائید کرے وہ ایک ہی چیز کی تائید کرتا ہے (**واعتصمو بحبل الله جمیعا**) اور دوسری سے پورے زور کے ساتھ روکتا ہے۔ (**ولا تفرقوا**)

ہمارے مسائل زندگی

جن غیر ضروری مسائل پر اُمت میں جدال وقتال ہوتا رہا ہے اِن کی کوئی اہمیت زندگی میں نہ تھی۔ اور نہ آج ہے۔ اس وقت تو ہمارے مسائل اور ہی ہیں۔ ہمارے مسائل یہ ہیں کہ دینی شعور کس طرح پیدا کیا جائے؟ بے روزگاری کیسے دور ہو؟ آبادکاری کیونکر ہو؟ اخلاقی تربیت کی کیا

سبیل ہو؟ تعلیم کا کیا نظام ہو؟ ہمارے ملک کی بین الاقوامی ساکھ کس طرح بحال کی جائے؟ صنعت وحرفت میں کیونکر ترقی کی جائے وغیرہ وغیرہ۔ یہ ہیں آج کے مسائل جو صرف فلسفیانہ اور مناظرانہ موشگافیاں نہیں چاہتے۔ عملی حرکت چاہتے ہیں۔ یہ ذہنی عیاشیاں نہیں بلکہ قوم و ملک کی بقا کا دارومدار ان ہی مسائل پر ہے۔ اِس میں ہمارا صرف زبانی اتحاد مطلوب نہیں بلکہ جو شغف ہمیں غیر ضروری مسائل سے رہا کیا ہے اِس سے کہیں زیادہ بے چینی ان مسائل کو حل کرنے میں درکار ہے۔ اتنی زیادہ بے چینی اور شغف مطلوب ہے کہ تفریق امت پیدا کرنے والے مسائل ان میں دب کر ختم ہو جائیں۔

علمی مسائل پر گفتگو بڑی چیز نہیں بلکہ بعض مرحلوں پر ضروری ہوتی ہے۔ ہر ہر چیز پر اتفاق رائے ہونا بھی ضروری نہیں۔ اِس لئے ایسی علمی گفتگو سے۔ بشرطیکہ اِس سے امت میں دینی تفریق نہ پیدا ہو۔۔۔ بہت سے پہلو سامنے آ جانے کی وجہ سے دماغ و ذہن میں روشنی پیدا ہوتی ہے اور جمود ٹوٹتا ہے۔ اِس لئے ہم اِس میں تو کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے لیکن اِس کے لئے ضروری ہے کہ اصل مسائل زندگی سے ہماری دلچسپیاں کم نہ ہوں اور باہمی اختلاف رائے سے تفریق امت نہ ہو بلکہ ایک دوسرے سے استفادہ مقصود ہو۔ ہر ایک دوسرے کی صلاحیتوں سے فائدہ حاصل کرے اور اپنی صلاحیتوں سے دوسروں کو نفع پہنچائے یہی وہ روحِ اجتماع اور جذبہ تعاون ہے جو قوم کے افراد کو ایک وحدت بنا دیتا ہے اور تمام مختلف صلاحیتیں اور توانائیاں سمٹ کر ایک مرکز پر آ جاتی ہیں اور اِس ارتکاز میں ایسی بے پناہ قوت پیدا ہو جاتی ہے جس کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ کمی صلاحیتوں یا توانائیوں کی نہیں جو کچھ کمی ہے وہ روحِ اجتماع اور جذبہ تعاون کی ہے اور ضرورت اسی خامی کو دور کرنے کی ہے۔

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

جدید جاہلیت

(محمد قطب)

یہ معلوم ہونے کے بعد کہ جاہلیت تاریخ کی گرد وغبار میں چھپا ہوا کوئی دور نہیں ہے، نہ ہی جاہلیت علم وفن وتمدن کے بالمقابل ہے۔ بلکہ درحقیقت جاہلیت اللہ کی ہدایت سے بھٹک جانے اور اس کے حکم کو ٹھکرا دینے کا نام ہے اور یہ کہ جس مرحلہ پر بھی اللہ کی ہدایت سے روگردانی کی جائے گی۔ اسے جاہلیت ہی کہا جائے گا۔

جاہلیت کے یہ معنی سمجھ لینے کے بعد ہمارے ذہن اور اس بات پر کسی قدر تیار ہو سکتے ہیں کہ بیسویں صدی کی جاہلیت کے بارے میں گفتگو کی جائے۔

ہم نے ''کسی قدر تیار ہو سکتے ہیں'' کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ کیونکہ بہت سے لوگ جنہیں جاہلیت جدیدہ کا سیلاب تنکوں کی طرح بہالے گیا ہے۔شانے اُچکا کر طنزیہ انداز میں کہیں گے۔

"اگر ہماری یہ ترقی یافتہ زندگی جاہلیت ہے تو ہم اس جاہلیت پر بڑے خوش ہیں، ہم تو اِسے دل وجان سے چاہتے ہیں۔ ہم نہیں چاہتے کہ اپنی اِس ترقی یافتہ جاہلیت کو چھوڑ کر تمہاری اس اللہ کی ہدایت کا اپنالیں جس میں قصے کہانیاں ہیں، جس میں پس ماندگی اور انحطاط ہے۔ بلکہ ہم نے اِس اللہ کی ہدایت کو جان بوجھ کر چھوڑ دیا ہے۔ تاکہ ہم تہذیب وتمدن حاصل کریں اور تاریکیوں کے بجائے روشنی میں آ جائیں۔ بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ جاہلیت ہمیں اِس اللہ کی ہدایت سے زیادہ محبوب ہے۔ جس کی طرف تم ہمیں بلا رہے ہو!"

اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا۔

فاستحبوا العمیٰ علی الهدی۔ (سورہ فصلت ١٧)

اُنہوں نے ہدایت کو چھوڑ کر بے راہ روی کو اختیار کیا۔

اور اللہ تعالیٰ نے صحیح فرمایا۔

کذالك قال الذین من قبلهم مثل قولهم تشابهت قلوبهم

ایسی ہی باتیں ان سے پہلے لوگ بھی کیا کرتے تھے ان سب (اگلے پچھلے گمراہوں) کی

ذہنیتیں ایک جیسی ہیں۔ (سورہ بقرہ ۱۱۸)

جاہلیت کی زندگی گزارنے والے تمام انسانوں کا تعلق ایک ہی گروہ سے ہے اور ان کی سوچ اور فکر کا انداز ہر دور میں یکساں اور ملتا جلتا رہتا ہے خواہ وہ تاریخ کی کسی بھی جاہلیت میں زندگی گزارتے رہے ہوں۔

اِس بیان اور توضیع کے بعد ہمارے فکر و نظر اِس بات پر آمادہ ہو گئے ہیں کہ بیسویں صدی کی جاہلیت جدیدہ کے موضوع پر گفتگو کی جائے اور یہ کہ اب اِس موضوع پر اب اِس قدر اجنبیت باقی نہیں رہی جتنی کہ پہلے پہل محسوس ہوئی تھی۔ مگر بہر حال دور جدید کی جاہلیت کو بیان کرنے کیلئے نہ صرف یہ کہ مزید وضاحت کی ضرورت ہے بلکہ متعدد تصانیف ناگزیر ہیں۔

جاہلیت کی ساری پیچیدگی یہ ہے کہ وہ اللہ کی ہدایت کو تسلیم نہیں کرتی۔ وہ ہدایت پر گمراہی کو ترجیح دیتی ہے۔ وہ سمجھتی ہے کہ وہ مجمع محاسن ہے اور اللہ کی ہدایت سراسر نقصان اور گھاٹے کا سودا ہے۔

جاہلیت کو یہ کبھی پتہ نہیں چلتا کہ اِس کے اپنے نظام میں کیا خرابیاں ہیں؟ کس قسم کا بگاڑ ہے؟ کون سی بِدبختی ہے؟ اور کس قسم کی بے چینی ہے؟ یہ اندازہ اِس کو جب ہی ہو سکتا ہے۔ جب وہ اللہ کی ہدایت کو قبول کرلے اور تاریکی سے نکل کر روشنی میں آجائے اور جب اِس کا سارا نظام اللہ کی فکری بنیادوں پر قائم ہو جائے۔

ہمارا کام یہ ہے کہ ہم اِس کتاب میں یہ بتائیں گے کہ لوگ اللہ کی ہدایت سے دور ہو کر کس گمراہی اور بگاڑ، کس بدبختی اور بے چینی میں پھنس کر رہ گئے ہیں۔

جاہلیت کی اِس بگاڑ کو سمجھنا لوگوں کے لئے آسان نہیں ہے۔ کیونکہ جاہلیت لوگوں کے فکر و نظر پر اپنے اثرات اتنے گہرے مرتسم کر دیتی ہے کہ خیالات کو پالا مار جاتا ہے اور معاشرے کی ہر روش مرجھا کے رہ جاتی ہے۔ اِسی لئے یہ لوگ کبھی کہتے ہیں کہ وہ اللہ کے حکم کی مخالفت نہیں کرتے۔ بلکہ اِن کے تصورات اور طریقہ کار اللہ کے حکم کے مطابق ہیں۔

کبھی کہتے ہیں کہ جو کچھ بگاڑ ہے وہ یقینی ہے اور اِس کو کسی صورت ختم نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی اس میں کوئی ردوبدل ہو سکتا ہے۔ غرض جاہلیت میں زندگی گزارنے والے لوگ اپنے معاملات

کی ہر زاویے میں تشریح کرتے ہیں اور وہ اپنے مسائل کی ہر ایک تعبیر اختیار کرتے ہیں، سوائے اِس تشریح اور تعبیر کے جس میں اللہ کا نام آتا ہو۔ چنانچہ کبھی کہتے ہیں کہ نظام زندگی میں جزوی خرابی پیدا ہوگئی ہے اور اب اِس کی اصلاح کی ضرورت ہے اور کبھی کہتے ہیں کہ فلاں نظام میں سقم پیدا ہوگیا ہے اِسے درست کرنا چاہیے مگر یہ نہیں ہوسکتا کہ سارے کے سارے نظام زندگی کو اللہ کی ہدایت کی روشنی میں پرکھا جائے اور دیکھا جائے کہ ہمارا نظام حیات اللہ کی بتائی ہوئی ہدایت کے مطابق ہے یا نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ کا نام تو جاہلیت کی فہرست میں کہیں درج ہی نہیں ہے! مسائل و معاملات کی شرح و تعبیر کے بارے میں یہ رویہ صرف جاہلیت جدیدہ ہی کا نہیں ہے بلکہ تاریخ کے ہر دور میں یہی رویہ رہا ہے چنانچہ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے۔

واذا فعلوا فاحشۃ قالوا وجدنا علیھا اباء نا واللّٰہُ امرنا بھا۔

جب وہ کوئی برا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو بھی اِس طرح کرتے پایا ہے بلکہ اللہ نے ہمیں یہی حکم دیا ہے۔ (الاعراف۔ ۲۸)

سیقول الذین اشرکوا لوشاء اللّٰہُ ما اشرکنا ولا اباءَ ناہ

عنقریب مشرکین کہیں گے کہ اگر اللہ نہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہی ہمارے باپ دادا کرتے۔ (الانعام۔ ۱۴۸)

جاہلی معاشروں کی جاہلی ہیئتیں اور شکلیں زمانے کے لحاظ سے مختلف تو ضرور ہوتی ہیں۔ لیکن اِن تمام جاہلی معاشروں کی فکر آپس میں ملتی جلتی ہوتی ہے اور اِس کا تاریخی کردار ہمیشہ سے ایک ہی رہا ہے۔

جاہلیت کے کسی بھی مسئلہ میں لوگ اصل خرابی اور بگاڑ کا آسانی سے اندازہ نہیں کرسکتے۔ اگر انہیں اِس بگاڑ کا کچھ نہ کچھ اندازہ ہو جائے تو یہ بات سمجھ میں آنا مشکل ہے کہ درحقیقت یہ سارا بگاڑ اللہ کی ہدایت سے دوری کی بنا پر رونما ہوا ہے اور اگر یہ بات بھی کسی نہ کسی طرح حلق سے نیچے اتر جائے۔ تو یہ یقین نہیں آتا کہ کیا اللہ کی ہدایت فی الواقع اِن کی بے چینی، بدبختی اور عذاب کو دور کر کے اِس کی پیدا کردہ مشکلات کا حل نکال سکتی ہے۔

لوگوں کو یہ بات ذہن نشین کرا دینا کہ اللہ کی ہدایت اِن کی تمام مشکلات کا حل ہے۔ بڑا

مشکل کام ہے۔ کیونکہ جاہلیت نے نہ صرف لوگوں کو اللہ کی ہدایت سے دور کر دیا ہے۔ بلکہ ان کے دلوں میں اس کے خلاف نفرت کا بیج بو دیا ہے اور انسانی زندگی کی متعدد اور گوناگوں تعبیریں کر کے لوگوں کو ان باطل تعبیرات میں اس قدر الجھا دیا ہے کہ ان کا کسی وقت اللہ کی ہدایت کی طرف متوجہ ہونا ناممکن نہیں، تو مشکل ضرور ہو گیا ہے۔

مگر یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ ہم یہ سمجھ کر کہ لوگ اللہ کے راستے کی جانب مشکل ہی سے متوجہ ہونگے، ہم انہیں سرے سے اللہ کی جانب دعوت ہی نہ دیں بلکہ ہم حق کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے لوگوں کو ضرور اللہ کی ہدایت کی طرف بلائیں گے۔ ہو سکتا ہے کسی وقت لوگ اللہ کی ہدایت کو قبول کر لیں۔ نہ صرف قبول کر لیں بلکہ اللہ کے حکم کو عملاً اپنی زندگیوں میں نافذ کرنے کیلئے جہاد بھی کریں۔

لوگ پہلے پہل اس بات کی تصدیق نہیں کریں گے کہ آج پوری دنیا میں جو بے چینی پائی جاتی ہے اس کی وجہ اللہ سے دور ہونا ہے۔ کیونکہ جاہلیت جدیدہ کہتی ہے کہ اس عالمگیر بے چینی کی وجہ سرمایا ہے یا طبقاتی کش مکش ہے یا انفرادی ملکیت ہے یا معاشی ابتری ہے۔ جاہلیت یہ تو کہہ ہی نہیں سکتی کہ انسانوں کی زندگی کو اللہ سے یا اللہ کی سنت سے بھی کوئی واسطہ یا تعلق ہو سکتا ہے بلکہ جاہلیت جدیدہ تو زندگی کے نشیب و فراز کی ہر اس تعبیر اور ہر اس معنی کا مذاق اُڑاتی ہے۔ جس کا تعلق اللہ سے ہو یا اللہ کی سنت سے ہو، کیونکہ جاہلیت کی انتہائی تمنا اور آخری آرزو تو یہی ہے کہ انسانی فکر و عمل کا رشتہ اللہ سے منقطع کر دے۔

جاہلیت جدیدہ کا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے اللہ اور اللہ کی سنت کا رشتہ قرون وسطیٰ سے ملا کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ موجودہ علم و سائنس کے تقاضوں کے ماتحت انسانیت کو اپنا رشتہ اللہ سے منقطع کر دینا ضروری ہے۔

خیال فرمائیے! جب لوگ اس قسم کی معض جاہلیت میں زندگی گذار رہے ہوں تو وہ یہ فکر کیسے اپنا سکتے ہیں کہ انسانیت کی بے چینی اور سوسائٹی کے ہمہ گیر بگاڑ کی وجہ صرف اور صرف اللہ کی ہدایت سے روگردانی اور اس کے نازل کردہ احکام کو ٹھکرا دینا ہے۔

اس موضوع کو بیان کرنے کیلئے اس کتاب میں مندرجہ ذیل امور زیر بحث آئیں گے۔

اول! جاہلیت جدیدہ اور اور اِس کی نشو ونما اور اِس کا تاریخی کردار۔

دوم! جاہلیت جدیدہ اور اِس کی علامات۔

سوم! جاہلیت جدیدہ نے اِنسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر جو اثرات مرتسم کئے ہیں ان کا جائزہ اِس سلسلے میں اِن تمام اثرات کا ذکر کیا جائے گا جو سیاسیات، معاشیات، اخلاقیات اور نفسیات میں رونما ہوئے ہیں اور اِس طرح پوری انسانی زندگی جاہلیت کی لپیٹ میں آ گئی ہے۔

چہارم! مستقبل میں اگر کسی وقت اِنسانیت اللہ کی ہدایت کو اپنا لے تو نظام زندگی کن خطوط پر استوار ہوگا اور زندگی پر موجودہ جاہلیت کے پڑنے والے اثرات کو کس طرح ختم کیا جائیگا۔ اللہ کی ہدایت کس طرح زندگی کے سارے پہلوؤں پر محیط ہوگی۔

ہم اِس بارے میں بڑے پرامید ہیں کہ ایک وقت ایسا آنے والا ہے۔ جب پوری اِنسانیت اللہ کی ہدایت کو اپنا لے گی۔

تاریخ کا ایک صفحہ

جاہلیت اور ایمان کی تاریخ یکساں قدیم ہے اور ابتدائے آفرینش سے اولادِ آدم زندگی برتنے کے اِن دونوں رویوں سے آشنا ہی ہے اِس لئے کہ دونوں ہی رویوں کا مرکز انسانی فطرت ہے اور اِس کی یہ سرشت ہے کہ وہ گمراہی اختیار کرے یا ہدایت، جاہلیت کی طرف جائے یا اِسلام کی جانب آئے۔

ونفس وما سواها فالهمها فجورها و تقواها قد افلح من زكها وقد خاب من دسها وهدينا ه النجدين۔

اور قسم ہے نفس کی اور جس نے اِسے برابر کیا پھر اِسے الہام کی اچھائی اور برائی۔ کامیاب ہو گیا وہ جس نے اپنے نفس کو پاک کیا اور ناکام ہوگیا وہ جس نے اِسے گندہ کیا۔ (شمس ۷۔۱۰)

ہم نے انسان کو دونوں ہی راستے بتلادیئے۔ (بلد۔۱۰)

اِنا هدينا ه السبيل اما شاكرا و اما كفورا (سورہ انسان ۳۰)

ہم نے انسان کو راستہ دکھلا دیا۔ یا تو وہ شکر گزار بن جائے یا کافر ہو جائے۔

جو کچھ بھی انسان زمین پر کرتا ہے، وہ اسی الٰہی قانون کے مطابق ہوتا ہے کہ اللہ نے انسانی

ت میں یہ صلاحیت رکھ دی ہے کہ وہ چاہے تو ہدایت کو اپنا لے اور چاہے تو گمراہ ہو جائے
ان نے اپنی تاریخ میں کبھی بھی اس الہٰی قانون کی خلاف ورزی نہیں کی ہے اور نہ کبھی کر سکتا ہے

جاہلیت اور اسلام!

انسان کی تاریخ کبھی بھی دو حالتوں سے خالی نہیں رہی۔ ہدایت اور گمراہی۔

جاہلیت اور اسلام۔۔۔۔

انسانیت ہمیشہ سے ہی تغیر پذیر رہی ہے۔ تغیر اس معنی میں بھی ہوا کہ انسان ہمیشہ خوب سے خوب تر کی طرف رواں دواں رہا ہے اور تغیر پذیری کی یہ صورت بھی وجود میں آئی کہ انسان اللہ کی ہدایت سے روگرداں اور اس کی بتائی ہوئی صراط مستقیم سے ہٹتا چلا گیا۔ تغیر کی دونوں صورتیں ہمیشہ معاشرے کی علمی اور مادی ترقیات کے مناسب اور سوسائٹی کی اجتماعی اور اقتصادی زندگی سے متوازن اور پیوستہ رہی ہیں۔ لیکن ان تغیرات کے باوجود انسانیت کے سامنے ہمیشہ دو ہی راستے رہے ہیں۔۔ ہدایت اور گمراہی۔۔۔ اسلام اور جاہلیت۔

بہر کیف بتانا یہ مقصود ہے کہ جاہلیت زمان و مکان کی بندشوں میں جکڑی ہوئی نہیں ہے۔ بلکہ وہ کسی بھی وقت اور کسی بھی جگہ رونما ہو سکتی ہے اور جاہلیت کے وجود کے لئے یہ بھی ضروری نہیں کہ جس معاشرے کی بنیادیں جاہلیت پر استوار ہوں۔ اس معاشرے میں سرے سے علم وفن اور تہذیب وتمدن کا وجود ہی نہ ہو۔

ہدایت معاشرے کی ایک جوہری کیفیت ہے اور اسی طرح جاہلیت سماج کی ایک جوہری کیفیت ہے اور یہ دونوں کیفیات انسانوں کے عروج وزوال سے وابستہ ہیں اور انسان کے سماجی ارتقاء کے ساتھ ارتقاء کی جانب گامزن رہتی ہیں۔ کیونکہ ہدایت نام ہے اللہ کی معرفت اور اس کی اتباع کا اور جاہلیت نام ہے اللہ کو نہ پہچاننے اور اس کی ہدایت سے روگردانی اختیار کر لینے کا۔ اس لئے اقتصادیات ہوں یا اجتماعیات، سیاسیات ہوں یا دنیائے علوم وفنون۔ ان تمام امور کے لحاظ سے اور عقل انسانی اور اس کے ماحول کے لحاظ سے ہدایت اور جاہلیت کی متعدد صورتیں ہو سکتی ہیں اور اس لحاظ سے انسانی زندگی کا کوئی بھی پہلو اقتصادیات، اجتماعیات، سیاسیات اور علم وفن کا کوئی بھی گوشہ ہو وہ ان دو کیفیتوں سے کبھی خالی نہیں ہوتا ہدایت یا گمراہی۔ جاہلیت یا اسلام

اب یہ بات وضاحت سے سامنے آ گئی کہ جاہلیت کا انسان کی کسی خاص معاشرتی کیفیت

اور تاریخ کی کسی مخصوص صورت حال سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ جاہلیت تغیر کی ہر شکل اور ارتقاء کے ہر دور میں پائی جا سکتی ہے۔

چند مثالیں!

اس کتاب میں تمام تاریخ کی ورق گردانی تو ناممکن ہے۔ البتہ ہم چند مثالیں بیان کریں گے۔ جس سے وہ حقیقت بھی واضح ہو جائے گی جسے جاہلیت جدیدہ نے جان بوجھ کر اس لئے نظر انداز کر دیا ہے تا کہ انسان کی عملی زندگی کا رشتہ اللہ سے منقطع ہو جائے۔

اللہ کا جو بھی دین اس دنیا میں آیا ہے۔ وہ ضابطہ حیات بن کر آیا ہے۔ دین نے عقیدہ اور وجدان کے بارے میں بھی گفتگو کی ہے اور عمل کی صراط مستقیم بھی بتائی ہے، دین ہمیشہ اجتماعیات، اقتصادیات اور سیاسیات، غرض زندگی کے تمام پہلوؤں پر حاوی رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جاہلیت جدیدہ نے اپنا سارا زور دین و دنیا کی دوئی اور تفریق پر خرچ کر دیا، تا کہ دین عملی دنیا میں بے اثر ہو کر رہ جائے۔

تمام ادیان میں صرف ایک ہی عقیدے کا پرچار کیا گیا کہ اللہ ایک ہے اور اللہ ہی معبود ہے۔ عبادت کے مختلف طریقے تو متعین کئے جاتے رہے۔ لیکن بنیادی عقیدے میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔

آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے تمہارے اوپر اپنی پوری نعمتیں اتار دی ہیں اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کر لیا ہے۔ (سورہ مائدہ۔۳)

تاریخ کے تمام ادوار میں ہدایت اور جاہلیت شانہ بشانہ چلتے رہے ہیں جب بھی کبھی اللہ نے کوئی رسول بھیجا اور اس پر وحی نازل ہوئی تو ہمیشہ یہی ہوا کہ کچھ لوگوں نے ہدایت کو قبول کر لیا، اور جاہلی نظام زندگی کو چھوڑ کر اللہ کی ہدایت کا مقرر کردہ نظام اپنی زندگیوں میں نافذ کر لیا اور کچھ لوگوں نے اللہ کی ہدایت سے روگردانی کی اور بدستور جاہلی نظام زندگی سے چمٹے رہے۔۔۔ اس طرح ہدایت اور جاہلیت دونوں ہی اپنے مخصوص حالات سے بندھے ہوئے اور اپنے خاص ماحول کے مطابق رہے ہیں۔ (جاری)

نسلی تعصب کا دور کرنا

(صدرالدین)

نسلی تعصب دنیا کا امن تباہ کرنے کا موجب ہے۔ سرور کائنات فخر موجودات ﷺ کو اس کا احساس تھا چنانچہ انہوں نے اقوام عالم کو نسلی تعصّبات دور کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ کیونکہ جب تک اِس خطرناک مرض کا تدارک نہ کیا جائے۔ امن وآرام کی زندگی کا حصول ممکن نہیں۔ ہندو کو یقین ہے کہ برھما صرف ہماری قوم کا خدا ہے اور ہم ہی اس کی چہیتی قوم ہیں۔ ہمارے وطن سے باہر جس قدر اقوام عالم ہیں۔ وہ سب کی سب ناپاک ہیں۔ اِن کو چھو جانے سے ہم اور ہماری اشیاء خرد ونوش ناپاک ہو جاتی ہیں۔ اِس لئے ہندو غیر ہندو سے شدید نفرت کرتا ہے۔ غیر ہندو کے برتن کسقدر بھی صاف ستھرے کیوں نہ ہوں۔ ہندو انکو ناپاک ہی یقین کرتا ہے اور بھولے سے بھی غیر ہندو کے برتن کو اِستعمال نہیں کرتا۔ ہندوستان سے باہر بسنے والے غیر ملک کے رہنے والوں سے ہی ہندو نفرت نہیں کرتے بلکہ وہ اپنے وطن کے دس کروڑ اچھوتوں کو بھی شدید نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اِن اچھوت اقوام میں سے کئی ایک ذہین نوجوان یورپ کی یونیورسٹیوں میں اعلیٰ تعلیم وتہذیب سے بہرہ ور ہوکر ہندوستان میں واپس آتے ہیں۔ پھر بھی ان کو ناپاک سمجھا جاتا ہے ایسے نوجوانوں میں سے ایک ڈاکٹر امبید کار تھے۔ وہ اسمبلی کے ممبر بھی منتخب ہو گئے۔ اور وہ لاء کالج بمبئی کے پرنسپل مقرر ہو گئے، بھارت میں وزیر قانون بھی رہے۔ تاہم اچھوت کے اچھوت ہی رہے۔ وہ ہندوؤں میں شادی نہ کر سکے۔ وہ ہندو مندر میں نہ جا سکے وہ ہندو کے ساتھ مل کر کھانا نہ کھا سکے۔ انہوں نے اِس صریح ظلم اور اِس خطرناک سنگ دلی میں ہندومت کو غیر معقول بیان کیا اور اخباروں میں ایسی تحریریں شائع کیں جن سے ہندو قوم کے تعصب اور تنگ ظرفی طشت از بام ہوئی مگر یہ سب کچھ بے سود ثابت ہوا۔ آخرش وہ بدھ مذہب اختیار کر کے اِس جہان سے ہندو قوم کی کم ظرفی کا ماتم کرتے ہوئے رخصت ہو گئے۔ یہودی قوم کا رنگ ڈھنگ بھی ہندوؤں کا سا ہے۔ یہودی بھی ہندو کی طرح یقین کرتا ہے کہ یہودی وہی ہے جو یہودی قوم میں پیدا ہوا ہو۔ دوسری قوم کا کوئی فرد یہودی نہیں قرار دیا جا سکتا یہودی قوم یقین کرتی ہے کہ یہوداہ صرف ہمارا ہی خدا ہے اور ہم ہی اِس کی محبوب ترین قوم ہیں اور نجات صرف یہودیوں کے لئے ہے اور صرف یہودیوں میں ہی مذہبی راہنما وپیغمبر پیدا ہوتے رہے ہیں اور دوسری ہر قوم

روحانی تعلیم سے محروم ہے۔ وہ آپس میں تلقین کرتے ہیں کہ یہودی کے سوائے دوسرے کسی شخص کے مذہبی نظریے کی طرف توجہ نہ کرنا چاہئے۔ قرآن کریم نے ان کے تعصّبات کا ذکر کیا ہے یہودی کہتے ہیں۔

نحن ابناء الله و احباؤه ٥

ہم خدا کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں اور ہم ہی روحانی تعلیمات کے وارث ہیں۔ اِس لئے وہ کہتے ہیں۔

لا تومنوا الا لمن تبع دینکم٥

یعنی کسی شخص کی بات پر کان نہ رکھو جو تمہارے دین کے سوا کوئی دوسرا اعتقاد رکھتا ہو۔ اور یہ بھی یقین نہ کرو کہ جو آسمانی کتاب تمہارے لئے نازل کی گئی ہے اِس قسم کی کتاب کسی دوسری قوم کو بھی دی گئی ہے۔

ان یوتی احد مثل ما اوتیتهم

حضرت عیسیٰ جو یہودیوں کے آخری پیغمبر ہیں ان کی انجیل میں یہی یہودی تعصبات کا رنگ ہے۔ مسلمان حضرت عیسیٰ کو خدا کے سچے پیغمبر مانتے ہیں اور اِنکی دل سے تعظیم و تکریم کرتے ہیں اور انکی کتاب یعنی انجیل شریف کو خدا کا کلام تسلیم کرتے ہیں۔ اِس کتاب میں حضرت عیسیٰ اعلان کرتے ہیں کہ میں بنی اسرائیل کی گم شدہ بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا (متی ۱۵/۲۴) اور انہوں نے اپنے شاگردوں کو تلقین فرمائی کہ غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا۔ (متی باب ۱۰ آیت 5)

اور شاگردوں کو یہ تلقین کی کہ پاک چیز کتوں کو نہ دو اور اپنے موتی سوروں کے آگے نہ ڈالو۔ (متی ۷/۶)

حضرت عیسیٰ چونکہ یہودی قوم کے فرد تھے اور چونکہ انہوں نے یہودی ماحول میں پرورش پائی تھی۔ اِس لئے وہ بھی غیر یہودی سے نفرت کرتے تھے۔ اگر یہودی غیر یہودی کو کتے اور سور سے تشبیہ دیتے ہیں۔ تو حضرت عیسیٰ نے بھی غیر یہودی کو کتے اور سور سے تشبیہ دی۔ چنانچہ انہوں نے ایک کنعانی عورت کو جو یہودی نہ تھی ذیل کے الفاظ میں مخاطب کیا۔

میں بچوں کی روٹی کتوں کے سامنے نہیں پھینک سکتا اس پر اس عورت نے عرض کیا بچوں کے دستر خوان سے جو ٹکڑے گرتے ہیں انہیں کتے کھا ہی لیا کرتے ہیں۔ (مرقس باب ۷ آیت ۲۷و ۲۸)

حضرت عیسیٰ نے اِس عورت کو محض اِس لئے کتوں سے تشبیہ دی تھی کہ وہ یہودن نہ تھی۔لیکن اِس عورت کا کلام حضرت عیسیٰ کے کلام کے مقابل پر نہایت درجہ کی انکساری اور تہذیب کا نمونہ ہے۔

جس طرح حضرت عیسیٰ کے مندرجہ بالا کلام میں تعصب پایا جاتا ہے۔اسی طرح ان کا ذیل کلام اِن کے تعصب اور تنگ ظرفی کی عکاسی کرتا ہے۔''کہ نجات صرف یہودیوں کے لئے ہے'' (یوحنا ۲۲/۴)

غرض ہندوؤں اور یہودیوں کے اعتقادات دوسری قوموں کو ذلیل وحقیر اور قابل نفرت قرار دیتے ہیں۔شام کے اسرائیل اور ہندوستان کے ہندو آج اِس بیسویں صدی میں اپنے اپنے غیر معقول اور مضر عقائد پر اصرار کے ساتھ قائم ہیں۔

اِسی طرح اہل امریکہ نے حبشیوں سے ہر طرح کا ناروا برتاؤ کرنا اپنا شیوہ اور اپنا نسلی حق سمجھ رکھا ہے۔اہل امریکہ پر نسلی فضیلت کا بھوت سوار ہے۔اِس لئے وہ حبشیوں سے ہر طرح کی بدسلوکی کرنا اور ان پر ظلم کرنا روا رکھتے ہیں۔اہل امریکہ ذی علم قوم ہے۔باوجود اِس علمی ترقی اور روشنی کے جو اِن کو حاصل ہے۔وہ نسلی فضیلت پر یقین رکھتے ہیں اور حبشیوں کو انسانی حقوق سے محروم رکھنے پر تلے ہوئے ہیں۔انہوں نے اپنے ظلم اور ناروا سلوک سے حبشیوں میں آزادی کی تحریک پیدا کر دی ہے۔اور یہ تحریک اب طوفان کا رنگ اختیار کر گئی ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں امن قائم کرنے کی خاطر ایسی تعلیمات کی تلقین فرمائی جن کی برکت سے نسلی تعصبات اور دوسرے ہر نوع کے تعصّبات اِن کی حیات میں کافور ہو گئے۔اور ان کا نام ونشان تک باقی نہ رہا اور عرب کے مختلف الخیال لوگ حضور کی برکت سے شیر وشکر ہو گئے۔آپ کا یہ کارنامہ زندہ جاوید معجزہ ہے۔

ملوکیت اور جمہوریت اسلام کی نظر میں

مفتی محمد شفیع

اسلام جس توسط و اعتدال کو اپنے ساتھ لایا ہے اس کے آثار تمام اسلامی احکام، اعتقادات، عبادات، اخلاق، معاملات، سیاسیات اور معاشریات میں نمایاں طور پر مشاہد ہیں۔ اور یہی اعتدال اس امت امیہ کا طغرائی امتیاز ہے۔ وکزالک جعلناکم امته و سطالکتونواشھداء علی الناس :ترجمہ: اسی طرح ہم نے تمہیں ایک متوسط امت بنایا ہے تا کہ تم لوگوں پر گواہ بن سکو۔ مکہ معظّمہ کی زاہدانہ زندگی کے بعد جب اسلام تخت سلطنت پر متمکن ہوا تو اس نے اپنی سیاست اور تدبیر ممالک میں بھی اسی اعتدال اور توسط سے کام لیا اور ملوکیت و جمہوریت کے افراط وتفریط کو اٹھا کر سلطنت و سیاست کا ایک ایسا محکم قانون تیار کیا جو تمام مفاسد سے پاک اور تدبیر ممالک کی تمام ضروریات کے لیے صحیح معنوں میں کفیل ہے۔

ملوکیت اور شخصیت کے مفاصد تو محتاج بیان نہیں کیونکہ مروجہ ملوکیت کا خلاصہ یہ ہے کہ نمبر ۱ تمام ملک ایک شخص کا غلام بلکہ غلاموں سے زیادہ پابند ہو۔ نمبر ۲ یہ شخص ظلم کرے یا انصاف کسی کو اس کے خلاف لب کھولنے کا حق نہ ہو۔ نمبر ۳ عہد سلطنت اس کی نسل میں متوارث ہو باپ کے مرنے کے بعد سارا ملک بیٹے کے قبضے میں آجائے خواہ یہ کیسا ہی جاہل، بدخلق اور نا اہل نالائق ہو۔ نمبر ۴ تمام ملک کے جان و مال اس کے ایک جنبش لب سے زیروزبر ہو سکتے ہیں۔ الغرض شخصیت کا قانون محض بادشاہ کی زبان اور تمام خلق اللہ کی موت وحیات محض اس کی رحم پر موقوف ہے ساری مخلوق اس کی ذاتی خواہشات کی تختہ مشق ہے ظاہر ہے کہ اس صورت میں نظام سلطنت کیا قائم رہ سکتا ہے اور لوگوں کے کیا حقوق ادا ہو سکتے ہیں۔

آج کل کی مصطلحہ اور مروجہ جمہوریت میں اگرچہ وہ مفاسد نہیں جو ملوکیت میں بیان کئے گئے لیکن اس میں بعض دوسرے ایسے مفاسد موجود ہیں جو نظام عالم کے قطعاً خلاف ہیں (۱) پہلی بات تو یہی ہے کہ جمہوریت میں امیر و بادشاہ کی حقیقت ایک شطرنج کے بادشاہ

سے زائد نہیں صرف اتنی عنایت اس کے حال پر کی جاتی ہے۔ کہ اس کی رائے کو دو رائے کا قائم مقام سمجھا جاتا ہے اور بس۔ حالآنکہ عالم کا فطری نظام اول سے آخر تک اسی کا مقتضی ہے کہ نظام سلطنت کا ذمہ دار ایک بااختیار شخص ہونا چاہئے جس کو حقیقی طور پر امیر و حاکم کہا جاسکے اور جو امور سلطنت کے حل وعقد کا مالک ہو اور جس کی اطاعت تمام رعایا پر فرض ہو (۲) دوسرے ممبران جمہوریت کے باہمی اختلاف رائے کے وقت جمہوریت کا فیصلہ کثرت رائے کے طابع ہوتا ہے۔ کثرت رائے کے مقابلہ میں نہ امیر کی کوئی ہستی ہے اور نہ دوسرے اہل رائے اور تجربہ کار لوگوں کی اور یہ ایک ایسی اصولی غلطی ہے جو سینکڑوں غلطیاں اپنے دامن میں رکھتی ہے۔ آج ہمارے یہاں کونسلوں اور بورڈ کے الیکشن میں جو طوفان بدتمیزی کے منظر سامنے آتے ہیں اور کثرت رائے کے فیصلوں کے جو ناگوار نتائج ہیں روزمرہ بھگتنے پڑتے ہیں۔ ان کے مفاسد سے شاید کوئی انسان آنکھ نہ چرا سکے آٹھ آٹھ آنہ میں رائے بکتی ہے۔ ہر فریق کثرت رائے حاصل کرنے کے لئے ہر جائز و ناجائز ہتھیار کام میں لاتا ہے تعلقات کے دباؤ زور زور کی نمائشوں سے ووٹ حاصل کئے جاتے ہیں اور بالآخر نتیجہ اس شخص کے ہاتھ ہوتا ہے جس کی گرہ میں روپیہ زیادہ ہو اور جو رسوئیوں میں بے دریغ خرچ کرنے کا عادی ہو یا جس کے تعلقات سے یا زور سے لوگ مرعوب ہوں یہ ایک ایسی بداہت ہے کہ جس کا ہر شخص سالانہ مشاہدہ کرتا ہے۔ اور پھر یہ طوفان بے تمیزی اپنی برکات جو ملک میں چھوڑ جاتا ہے۔ وہ سب سے زیادہ قابل غور ہے الیکشن کا فتنہ تو چند روز میں ختم ہو جاتا ہے لیکن باہمی خانہ جنگیاں، عداوتیں اور بغض وعناد جو اس وقت قلوب میں قائم ہو جاتی ہیں وہ اکثر ایسا صدقہ جاریہ ہوتا ہے جو قبروں میں ساتھ جاتا ہے۔ اس سال کونسلر کے الیکشن کے زمانہ میں ایک مقتدر باپ کو بیٹے کے شرمناک عیوب اخبارات و اشتہارات میں شائع کرنے سے دریغ نہ تھا۔ ہونہار فرزند کو بھی اس میدان کارزار میں باپ سے کسی طرح کم نہ پاتے تھے۔ بلکہ ہر گالی کا جواب اس سے زیادہ وزن کی گالی سے دیا جاتا تھا خیر یہ تو اس حریت کا نتیجہ تھا جو یورپین تمدن کا لازمی اثر ہے اور جس کا خلاصہ نہ فقط مذہب سے آزادی بلکہ انسانیت کی ہر پابندی سے آزادی ہے الغرض یہ سب اس جمہوریت اور

کثرت رائے کے فیصلوں کی برکتیں ہیں جس کو آج سیاست کا اساسی قانون بنالیا گیا ہے موجودہ اور مروجہ جمہوریت کے فیصلوں پر اگر تفصیلی نظر ڈالی جائے تو جمہوری حکومت کا خود سرامیر یا روپیہ نکلتا ہے اور جبر واستبداد اور مکر وفریب کیونکہ جب کثرت رائے کا پردہ فاش ہوتا ہے تو اس کے پس پردہ یہی چیزیں کارفرما نظر آتی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ الیکشن کے تمام انتخابات میں عموماً وہ خود غرض ہوا پرست نااہل لوگ خلق اللہ کی جان و مال کے مالک بن بیٹھتے ہیں جن کی نیت اور ہمت ابتدا ہی سے اس کے سوا کچھ نہیں ہوتی کہ ہمیں حکومت کی کرسی مل جائے پھر مخلوق آرام سے رہے یا تباہ ہو چنانچہ ان کی رائے زنی کا حاصل بھی اس سے زائد نہیں ہوتا کہ جس طرف زیادہ ہاتھ اٹھتے نظر آئیں انہوں نے بھی اپنی جھنڈی اسی طرف کے لئے اٹھادی اکثر انہیں یہ بھی خبر نہیں ہوتی کہ کس معاملہ کے متعلق ہم سے رائے لی گئی ہے۔ اور ان تمام فتنوں کے طوفان کی ذمہ داری صرف کثرت رائے کے فیصلوں پر ہے اگر اختلاف رائے کے وقت فیصلہ امیر مجلس کے سپرد ہو تو ان میں سے اکثر مفاسد کی جڑ کٹ جاتی ہے الغرض جس طرح شخصیت محض بادشاہ پرستی کا نام ہے اور نظام عام کے لئے کسی طرح مناسب نہیں اسی طرح آج کل کی مصطلحہ جمہوریت اس کے بالکل خلاف ایک غوغاء ناس کا نام ہے جس کے مفاسد بھی شخصیت سے کم نہیں۔

اسلام جو نظام عالم کا حقیقی ذمہ دار ہے اس کا فرض تھا کہ اس افراط وتفریط کے درمیان ایسا راستہ اختیار کرے جو ہر قسم کے مفاسد وخطرات سے پاک ہو چنانچہ اسلامی حکومت کی بنیاد ایک ایسے قانون پر رکھی گئی جو بعض اعتبارات سے شخصیت سے ملتا ہے اور بعض وجوہ سے جمہوریت کا ہم رنگ ہے یعنی **خذما صفا ودع ماکدر** جو بات اچھی ہو اس کو اختیار کرلو اور جو بری ہو اس کو چھوڑ دو، کے قانون پر عمل کرتے ہوئے شخصیت اور جمہوریت دونوں کی وہ دفعات جو مفاسد پر مشتمل ہیں اسلام نے ان سب کو نظرانداز کردیا اور جن دفعات کے ماتحت نظام عالم درست ہو سکے ان کو اختیار کرلیا جس کی اجمالی صورت یہ ہے۔

(۱) اسلامی خلافت میں وراثت نہیں چلتی یہ ضروری نہیں کہ باپ کے بعد بیٹا یا اسی کی نسل کا کوئی آدمی خلافت یا امارت کا جاگیردار ہو بلکہ بیعت عامہ یا مشورہ سے انتخاب ہو

جائے یا سابق خلیفہ کسی کو اپنی رائے سے مقرر کر دے وہ ہی اس عہدے پر فائز ہوگا۔ حضرت فاروق اعظمؓ اسی دفعہ کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں **لا خلافة الا عن مشورة** کوئی خلافت بغیر مشورہ کے نہیں ہو سکتی۔

(۲) اہم معاملات میں تنہا خلیفہ بغیر مشورہ کے طے نہیں کرسکتا۔ آیہ کریمہ **وشاورهم فی الامر** (اور معاملات میں صحابہ سے مشورہ لیجئے) میں خود حضرت اقدس ﷺ کو مشورہ کا حکم فرما کر امت کے لئے اسوہ بنا دیا گیا ہے۔

(۳) اگر خلیفہ کوئی خلاف شرع فعل اختیار کرے تو ہر ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان کو حق ہے کہ امر بالمعروف کے قواعد و آداب کا خیال رکھتے ہوئے ناصحانہ طور پر کلمہ حق اس کے سامنے پیش کر دے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ صاحب ازالۃ الخفاء میں اس کے متعلق فرماتے ہیں "وازاعظم انواع جہاد است امر کرون خلیفہ بمعروف ونہی اواز منکر "بغیر خروج بسیف و می باید کہ بلطف باشد دون العنف و درخلوت باشد دون الجلوۃ تا فتنہ برنخیزد" خلفاء راشدین اور صحابہ کے بہت سے واقعات اس کے شاہد عدل ہیں۔

(۴) خلیفہ وقت اگر کسی کو صریح خلاف شرح کام کرنے کا حکم دے تو اس پر اس کام میں خلیفہ کا اتباع واجب نہیں۔ حدیث میں اسی دفعہ کے متعلق ارشاد ہے، لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق ،خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں کی جا سکتی۔

(۵) امیر اگر اسلام کو ترک کر کے مرتد ہو جائے تو وہ امارت سے معزول ہو جائے گا اور مسلمانوں پر اس سے جہاد کرنا فرض ہو جائے گا اسی طرح اگر کوئی امیر عام طور پر بے دریغ قتل و غارت اور عورتوں کی عفت دری اور غصب مال کرنے لگے اور شریعت کے قانون کا کوئی لحاظ نہ رکھے تب بھی جائز ہے کہ مسلمان اس کے خلاف جمع ہو کر اسے معزول کر دیں کیونکہ اس کا حکم ڈاکوؤں کا سا حکم ہے۔ لیکن جب تک یہ نوبت نہ آئے بلکہ شخصی طور پر کسی کسی پر ظلم کرے اس وقت تک اس کی بغاوت ہرگز جائز نہیں بلکہ اس کی اطاعت پر صبر کرنا فرض ہے جس کی تفصیل عنقریب آتی ہے۔ یہ چند اصولی دفعات ہیں جو جمہوریت

سے ملتی جلتی ہیں شخصی سلطنت میں یہ صورتیں موجود نہیں ہوتیں۔ اور دفعات ذیل شخصیت کی ہم رنگ ہیں۔

(۶) مشورہ میں اگر اختلاف رائے پیش آئے تو فیصلہ کثرت رائے کے سپرد نہیں۔ بلکہ امیر کی رائے پر ہے اور اس کو اختیار ہے کہ اقلیت کو اکثریت پر ترجیح دیدے۔ قرآن عزیز میں آنحضرت ﷺ کو مشورہ کا حکم فرمانے کے بعد **فاذ اعزمت فتوکل علی اللہ** (پھر جب آپ عزم کریں تو اللہ تعالی پر توکل کریں) بصیغہ واحد حاضر فرما کر اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ مشورہ کے بعد کسی جانب کو ترجیح دے کر اس کا عزم کرنا یہ فقط آپ کی رائے پر ہوگا۔ آنحضرت ﷺ اور خلفاء راشدین اور دوسرے خلفاء کے بہت سے معاملات اس کے شاہد ہیں جن کو انشاء اللہ تعالی بتفصیل عرض کیا جائے گا۔

(۷) امیر کی اطاعت ہر مسلمان کے ذمہ **سراً و اعلانیةً** فرض ہے۔ جب تک وہ کسی صریح حرام کا حکم نہ دے۔ قرآن میں اس کے متعلق ارشاد ہے **اطیعو اللہ و اطیعوالرسول و اولی الامر منکم** اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اپنے امراء کی اطاعت کرو۔

(۸) امیر اگر کوئی ظالمانہ حکم نافذ کرے تب بھی رعایا کا فرض ہے کہ اس کی اطاعت کرے۔ ان کو اس وقت صرف اتنا حق ہے کہ امر بالمعروف کے ذریعے حق بات اس کے سامنے پیش کر دیں اور بس۔ لیکن اگر امر بالمعروف کے بعد بھی امیر اپنے اس حکم پر قائم رہے تو رعایا کا فرض ہے کہ صبر کے ساتھ اس کی اطاعت کرے۔ اس کی سرکشی اور بغاوت کے لئے آمادہ ہونا اس وقت بھی جائز نہیں۔ حدیث میں اس دفعہ کے متعلق بہت سی تصریحات موجود ہیں۔ حضرت جریر بن عبداللہؓ روایت فرماتے ہیں کہ چند گاؤں والے آنحضرت ﷺ کے سامنے حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ بعض صدقات وزکوٰۃ وصول کرنے والے عامل ہمارے پاس آتے ہیں۔ اور ہم پر ظلم کرتے ہیں (یعنی مقدار واجب سے زیادہ ہم سے وصول کرتے ہیں) آپ نے ارشاد فرمایا اپنے عامل صدقہ کو راضی کرو۔ (ابوداؤد) انہوں نے پھر عرض کیا کہ یا رسول اللہ اگر وہ ہم پر ظلم کریں تب بھی ان کو

ادا کریں تو آپ نے فرمایا (رواہ ابوداؤد) اپنے عاملین صدقہ کو راضی کرو اگرچہ تم پر ظلم کیا جائے۔ یہ عاملین صدقہ چونکہ خلیفہ اور امیر وقت کے نائب ہو کر ان لوگوں کے پاس جاتے تھے اس لئے ان کو مجبور کیا گیا کہ ہر حال میں ان کی اطاعت کریں وہ ظلم کریں تب بھی ان کے ذمہ ان کی اطاعت ضروری ہے۔ اس کے متعلق ایک دوسری حدیث میں حضرت جابر ابن عتیک راوی ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ترجمہ۔ قریب ہے کہ تمہارے پاس چند مبغوض لوگ آئیں گے پس جب وہ تمہارے پاس آئیں تو تم ان سے فراخدلی سے پیش آؤ اور جو کچھ وہ طلب کریں ان کو دے دو۔ اگر وہ انصاف کریں گے تو اس کا ان کو فائدہ پہنچے گا اور اگر انہوں نے ظلم کیا تو اس کا ضرر بھی بھگتیں گے تم ان کو راضی کرو اس لئے کہ تمہاری زکوٰۃ کا اتمام ان کی رضا پر موقوف ہے (اور تم ان کے ساتھ اس طرح پیش آؤ) کہ وہ تمہارے لئے دعا کریں۔ ان احادیث سے بصراحت معلوم ہوا کہ امیر وقت اگر ظلم بھی کرے تب بھی رعایا کے لئے اطاعت کے سوا کسی جذبہ کا استعمال جائز نہیں۔ جب تک کہ اس کا ظلم وجور اور بددیانتی عام خلق پر محیط ہو کر اس درجے تک نہ پہنچ جائے کہ اس کو ڈاکوؤں کی فہرست میں داخل سمجھا جائے۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہ سمجھا جائے کہ اسلام نے خلیفہ اور امیر وقت کے لئے ظلم کا میدان وسیع کر کے امراء کو ظلم کرنے پر جری، اور بیچاری رعایا کو ظلم سہنے پر مجبور کر دیا ہے۔ اور یہ وہی عجمی ملوکیت و شخصیت ہے جس کے مفاسد اوپر بیان کئے گئے ہیں۔ کیونکہ نظام معاملات کی درستی کے لئے اسلام کا ایک خاص حکیمانہ اصول ہے جس کے تمام پہلو دیکھنے کے بعد ہر فہیم انسان یہ کہنے پر مجبور ہو گا کہ لوگوں کے باہمی معاملات کی اصلاح کے لئے اس سے بہتر کوئی قانون نہیں ہو سکتا۔ اسلام نے ایک طرف اگر رعایا کو اس پر مجبور کیا ہے کہ امیر وقت کے ظلم وستم کے وقت بھی تم اس کو راضی کرنے کی کوشش کرو اور ہر حال میں اس کی اطاعت تمہارا فرض ہے تو دوسری جانب امراء کو بھی آزاد نہیں چھوڑ دیا بلکہ ان کو اپنی جگہ اتنا پابند بنایا ہے کہ ان کی کوئی حرکت وسکون عدل کے خلاف نہ ہو سکے۔ حضرت معاذؓ کو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے والی یمن بنا کر رخصت کیا ہے تو مفصل وصیتوں کے ضمن میں ارشاد فرمایا ہے۔ ترجمہ۔ زکوٰۃ میں لوگوں کا عمدہ عمدہ مال منتخب کرنے سے بچو اور مظلوم کی بددعا سے ڈرو۔ کیونکہ اس کے اور خدا کے درمیان کوئی

پردہ حائل نہیں۔ نیز حضرت جابر بن عتیک والی حدیث میں جس جگہ رعایا کو اس کی ہدایت کی گئی ہے کہ وہ ہر حال میں امیر کی اطاعت کریں وہیں ان امراء کو جو لوگوں پر ظلم کریں مبغوض ومردود فرمایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ سینکڑوں احادیث ہیں جن میں ذرا سے ظلم کرنے والے امیر کے لئے ایسی ایسی سخت سخت وعیدیں فرمائی گئیں ہیں کہ ان کو سن کر پتہ پانی ہوتا ہے۔ الغرض ادھر امیر کو اپنی جگہ میں ظلم کے پاس جانے سے روک دیا گیا ادھر رعایا کو اس پر مجبور کیا گیا کہ اگر وہ اپنے فرائض کو چھوڑ کر ظلم کرنے پر اتر آئیں تمہیں اس وقت بھی اپنے فرائض اطاعت کو نہ چھوڑنا چاہیے۔ اسلام نے بیشتر تدبیر منزل وتدبیر ملک وغیرہ میں اسی زریں اصول سے کام لیا ہے باپ بیٹے کے معاملات میں ایک طرف بیٹے کو مجبور کیا کہ اگر باپ ظلم کرے تب بھی اس کی اطاعت تم پر فرض ہے اور دوسری طرف باپ کو حکم کیا کہ اپنی اولاد کے ساتھ شفقت ورحمت سے کام لے اور جو ایسا نہ کرے وہ مسلمان نہیں۔ اسی طرح خاوند بیوی کے معاملات میں بیوی کو مجبور کیا کہ خاوند اگر ظلم بھی کرے تب بھی تم اس کی اطاعت نہ چھوڑو ادھر خاوند کو سخت تاکید کی کہ بیوی کے حقوق کی پوری نگرانی کرے اور اگر اس میں کوتاہی کی تو قیامت میں اس کی جزاء کے لئے تیار ہو جائے اور یہ ایک ایسا حکیمانہ اصول ہے کہ جس سے تمام باہمی نزاع کے راستے بند ہو جاتے ہیں کیونکہ اگر ذرا غور سے کام لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اکثر اختلافات اور جھگڑوں کا سبب صرف یہ ہوتا ہے کہ ایک شخص اپنی حدود اور اپنے فرائض کو چھوڑ کر دوسرے کی حدود میں گھسنا چاہتا ہے۔ مثلاً معاملات میں عدل وانصاف کرنا امیر کا فرض منصبی ہے مامور رعایا کو اس میں اس سے زیادہ مداخلت جائز نہیں کہ آداب امر بالمعروف کا لحاظ رکھتے ہوئے حق بات امیر تک پہنچادے۔ امیر اگر اپنے فرض کو ترک کرے تو کسی طرح عقل کا مقتضا نہیں کہ مامور بھی اپنی حدود سے باہر نکل کھڑا ہو اور اپنے فرائض کو چھوڑ دے۔ کیونکہ یہ انتقامی جذبہ کسی طرح مامور کے حق میں مفید نہیں اور نہ اس کے ذریعے سے اپنے حقوق امیر سے وصول کر سکتا ہے فرض کرو کہ اسلام اس وقت مظلوم کو ترک اطاعت کی اجازت دیدے اور اس کو بغاوت وسرکشی سے نہ روکے تو اس کا نتیجہ لازمی طور پر یہ ہوگا کہ اگر مظلوم کوئی قوت وشوکت نہیں رکھتا تو بغاوت کر کے پہلے سے زیادہ مصائب ومظالم میں گرفتار ہو جائے گا اور اگر اس نے کوئی قوت وشوکت

حاصل کر لی جس کے ذریعے سے امیر کے مقابلے پر آسکے تو یہ فتنہ عظیم ہوگا جس میں سارے ملک کی جانیں اور مال خطرہ میں پڑ جائیں گے۔ اور جانبین کی بہت سی جانیں اور مال ضائع ہوں گے۔ بغاوت سے پہلے اگر صرف ایک شخص کا نقصان تھا تو بغاوت کرنے میں سارے ملک کا اس سے سوگنا زائد نقصان ہے اور یہی وجہ ہے کہ اگر سارا ملک عام طور پر اس کے مظالم کا شکار ہو جائے اور قتل و غارت میں اسے کسی شرعی حکم کا لحاظ نہ رہے تو پھر اس کے خلاف کرنے اور اس سے بدلہ لینے کو اسلام نے بھی جائز رکھا ہے ان نتائج پر نظر کرتے ہوئے اسلام نے حکمت کے مشہور قانون پر عمل کیا ہے۔ ترجمہ "جب آدمی دو بلاؤں میں گرفتار ہو تو دونوں میں سے جو سہل ہو اس کو اختیار کر لینا چاہیئے"۔ جب امیر وقت ظلم کرے تو ہمارے سامنے دو مصیبتیں ہیں ایک یہ کہ ظلم پر صبر کرے اور دوسرے یہ کہ علم بغاوت بلند کر کے خود بھی اس سے زیادہ مصیبت میں گرفتار ہو اور دوسروں کو بھی بلا میں مبتلا کرے۔ ظاہر ہے کہ ان دونوں مصیبتوں کے مقابلے کے وقت پہلی شکل کا اختیار کرنا ہی عقل سلیم کا مقتضی ہوگا۔ اور میں کہتا ہوں کہ ایسی حالت میں مظلوم کو ظلم پر صبر کرنے کی تلقین کا ذمہ دار فقط شخصیت یا اسلام نہیں۔ آج اگر موجودہ جمہوریتوں میں کسی شخص پر اگر ظلم ہو اور کثرت رائے اس کے خلاف فیصلہ کر دے تو بتلایئے کہ یہ شخص کیا کرے گا اور اس وقت سیاسی مدبرین اس کے لئے کیا فتویٰ دیں گے۔ کیا کسی عاقل کے نزدیک اس کے لئے یہ مناسب ہوگا کہ جمہوریت کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے خود بھی پہلے سے زیادہ مصائب کا تختہ مشق بنے اور دوسرے لوگوں کو بھی اس مصیبت میں ڈال دے۔ بلکہ ہر عقل مند ایسی حالت میں اس کے لئے صبر کی تلقین کے سوا کوئی چارہ کار نہ سمجھے گا لیکن اس تلقین صبر کا کسی کے نزدیک مطلب نہ ہوگا کہ وہ جمہوریت کے ظلم کا حامی ہے یا امراء کے لئے ظلم کا میدان وسیع کر رہا ہے۔ پس اگر اسلام نے ایسی حالت میں مظلوم کو اطاعت امیر پر مجبور کیا تو کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اس نے ظلم کا دروازہ امراء کے لئے کھول دیا۔ خصوصاً جبکہ دوسری جانب امراء کو بھی اتنا کس دیا گیا کہ وہ اپنی جگہ سے نہیں ہل سکتے اور ادھر رعایا کے ہر فرد کو یہ حق دیا ہے کہ امر بالمعروف کے ذریعے سے کلمہ حق اس کو پہنچا دے اور اس کو اپنے فرائض یاد دلائے۔ الغرض اسلامی قانون سیاست کی آٹھویں اصولی دفعہ یہ ہے کہ اگر خلیفہ وقت ظلم بھی

کرے تب بھی رعایا پر اس کی اطاعت فرض ہے البتہ امر بالمعروف کرنے کا حق ہر شخص کو ہر وقت حاصل ہے۔

(۹) انتخاب امیر کے وقت ضروری ہے کہ خلافت وامارت کی شرطوں پر نظر رکھی جائے جن میں سے عدالت بھی ایک شرط ہے اس لئے کسی فاسق کو اپنے اختیار سے خلیفہ بنانا جائز نہیں۔ لیکن اگر کوئی فاسق زبردستی سلطنت پر قابو پالے یا پہلے بوقت انتخاب فاسق نہ تھا بعد میں فاسق ہو گیا تو باوجود اس کے فسق کے اس کے خلاف اس وقت تک علم بلند نہ کیا جائے گا جبتک کہ کفر صریح میں مبتلاء نہ ہو جائے البتہ اگر کفر صریح میں مبتلا ہو جائے تو وہ خلافت سے معزول ہے اور مسلمانوں کو اس کا علیحدہ کرنا ضروری ہے۔

(۱۰) مسائل مجتہد فیہا جن میں جانبین میں ادلہ شرعیہ موجود ہیں جیسے حنفی شافعی وغیرہ کے مختلف فیہ مسائل ان میں سے اگر امیر کسی ایک جانب کو متعین کر کے لوگوں کو اس پر عمل کرنے کا حکم دے تو ان کا فرض ہو گا اس کا اتباع کریں اگرچہ بحیثیت حنفیت یا شافعیت وہ اس کے مذہب کے خلاف ہو۔

(۱۱) ارکان مجلس شوریٰ کا انتخاب بھی اسلامی سیاست میں اس طوفان بدتمیزی کے ساتھ نہیں ہوتا جو موجودہ جمہوریت کا طغرائے امتیاز ہے اور جس کی بدولت تمام ملک جنگ وجدل اور بغض وعناد کی آماجگاہ بنا ہوا ہے۔ بلکہ یہ انتخاب عموماً امیر خود اپنی رائے سے کرتا ہے۔

یہ چند دفعات ہیں جو شخصیت کے ہمرنگ نظر آتی ہیں۔ مجھے اسلام کا سیاسی قانون پیش کرنا نہیں بلکہ صرف یہ دکھلانا مقصود تھا اسلامی سیاست نہ درحقیقت وہ شخصیت وملوکیت ہے جو کسریٰ وقیصر اور ملوک عجم کا طریق تھا اور نہ وہ جمہوریت جس کا آج کل عالم میں دور دورہ ہے کیونکہ یہ دونوں طریق نظام عالم کی اصلاح کے لئے کافی نہیں بلکہ اسلام نے اپنے اساسی اصول اعتدال کو پیش نظر رکھتے ہوئے دونوں کے درمیان ایک صراط مستقیم اختیار کیا ہے جو نظام عالم اور معاملات خلق کی اصلاح کے لئے بہترین کفیل ہے۔

اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش

(پروفیسر یوسف سلیم چشتی)

تیسری بحث! حضرت جعفرؒ (شیعوں کے چھٹے امام) نے ۱۴۸ھ میں وفات پائی اُن کی وفات کے بعد اِن کے متبعین میں دو گروہ پیدا ہو گئے۔

ا۔ جس نے ان کے چھوٹے بیٹے حضرت موسیٰ کاظم کو ان کا جانشین تسلیم کیا وہ آگے چل کر امامیہ اثناعشریہ کے نام سے مشہور ہوئے۔

۲۔ جنہوں نے اِن کے بڑے بیٹے حضرت اسماعیل کو اِن کا جانشین تسلیم کیا وہ آگے چل کر اسمٰعیلیہ کے نام سے مشہور ہوئے ہمیں اِس وقت اسی دوسرے گروہ کی مختصر داستان لکھنی مقصود ہے

یہ فرقہ اگرچہ شیعیت ہی کی ایک شاخ ہے مگر جن لوگوں نے اِس فرقے کی رہنمائی کی انہوں نے اسے ایک تخریبی تحریک بنا دیا اور آگے چل کر یہ تحریک اپنے معتقدات اور اعمال کے لحاظ سے شیعیت سے بھی کوسوں دور ہوگئی۔

تاریخ اسلام میں اِس تحریک کو ملاحدہ، باطنیہ، تعلیمیہ اور قرامطہ کے رسوائے عالم لقب سے بھی یاد کیا گیا ہے۔ ہم ذیل میں اِس کی مختصر داستان قلمبند کرتے ہیں کیونکہ یہی فرقہ دنیائے اسلام میں غیر اسلامی تصوف کا بانی ہے۔

واضح ہو کہ اِس فرقے نے شروع سے عبداللہ ابن سباء کے خالی عقائد (عقیدہ الوہیت علی و رجعت و تناسخ ارواح و حلول) ہی اختیار کر لئے تھے۔ پروفیسر براؤن ایران کی ادبی تاریخ جلد اول صفحہ ۳۱۱ پر لکھتا ہے" جو عقائد غلاۃ شیعہ میں مشترک ہیں وہ حسب ذیل چار عقائد ہیں۔

ا۔ تشبیہہ (خدا کا انسانی شکل میں ظہور)۔

۲۔ مشیب ایزدی میں تبدیلی۔ (بدا)

۳۔ امام کی واپسی (رجعت)

۴۔ تناسخ (ایک امام کی روح کا دوسرے یعنی جانشین کی شخصیت میں حلول کرنا)

ظاہر ہے کہ یہ سب عقائد قرآن کے سراسر خلاف ہیں۔ اسی لئے مسٹر اسٹینلی لین پول اپنی تصنیف داستان قاہرہ مطبوعہ لندن ۱۹۰۶ء میں صفحہ ۱۱۳ پر لکھتا ہے۔ "اپنی باطنی روح کے اعتبار سے فاطمیین مصر کا مذہب محمڈنزم نہیں ہے"۔

ڈاکٹر اولیری نے بھی اپنی تصنیف تاریخ خلفائے بنی فاطمہ مصر میں صفحہ ۱۲ پر لکھا ہے۔ اسمعیلیہ فرقے میں شروع ہی سے غلاۃ شیعہ کی خصوصیات پیدا ہوگئی تھیں یعنی (۱) تاویل (۲) تجسیم (۳) حلول (۴) تناسخ روحِ امام بقالب دیگر"۔

اب ہم براؤن کی تاریخ جلد اول سے اس تحریک کی داستان قلمبند کرتے ہیں۔

مہدی کے عہد حکومت میں المقنع نے خروج کیا۔ ابن خلکان نے اپنی مشہور تالیف وفیات الاعیان میں لکھا ہے کہ المقنع کا اصلی نام عطاء تھا اس نے جادو اور طلسمات میں مہارت حاصل کی اور خدائی کا دعویٰ کر دیا۔ اِس نے اپنے پیروؤں سے کہا کہ سب سے پہلے خدا نے آدم میں حلول کیا یہی وجہ ہے کہ فرشتوں نے اِسے سجدہ کیا۔ الغرض خدا اسی طرح تمام انبیاء میں حلول کرتا کرتا ابومسلم خراسانی کے جسم میں داخل ہوا اور اِس کی وفات کے بعد اب خدا نے میرے اندر حلول کیا ہے۔

چونکہ یہ شخص نہایت کریہہ المنظر اور کانا تھا۔ قصیر القامت اور ہکلا تھا اور اپنے بدنما چہرے پر سنہرا نقاب ڈالے رہتا تھا۔ اسی لئے اسے المقنع کہتے ہیں۔ یہ شخص ۱۶۹ھ میں قتل کیا گیا۔

۲۔ مامون کے عہد میں بابک خرمی نے خروج کیا۔ یہ شخص بھی الوہیت کا مدعی تھا۔ بقول طبری اس شخص نے بیس سال تک ایران میں شدید ہنگامہ برپا کیے رکھا۔ انجام کار افشین نے ۲۲۳ھ میں اسے قتل کیا۔ المقنع اور بابک نے خدائی کا دعویٰ کر کے ہزاروں نہیں لاکھوں مسلمانوں کو گمراہ کیا اور بقول مسعودی (کتاب التنبیہ) بابک نے پانچ لاکھ کے قریب مسلمانوں کو قتل کیا۔ ان دونوں کا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے عبداللہ ابن میمون القداح کی تخریبی سرگرمیوں کے لئے زمین ہموار کی۔

۳۔ ہٹی اور براؤن نے لکھا ہے کہ فرقہ اسمعیلیہ کی سیاسی تنظیم اور مذہبی عقائد کی تدوین کا سہرا عبداللہ ابن میمون القداح کے سر ہے الفہرست میں مرقوم ہے کہ یہ شخص اہواز کا باشندہ

تھا۔ اس نے پہلے بصرے میں قیام کیا۔ پھر سلامیہ (شام) کو اپنا مرکز بنایا اور یہاں سے تمام دنیائے اسلام میں اپنے دعاۃ کو اسمٰعیلی مذہب کی تبلیغ کیلئے روانہ کیا۔ اس نے ۲۶۱ھ میں وفات پائی۔

۴۔ حمدان قرمط، یہ شخص القداح کا سب سے بڑا حامی تھا۔ اس کا نام حمدان بن اشعث تھا یہ دراصل ایک عراقی کاشتکار تھا۔ چونکہ اس کی ٹانگیں بہت چھوٹی تھیں۔ اس لئے اسے قرمط کہتے تھے۔ اس نے اسماعیل مذہب کو باطنی تحریک میں تبدیل کر دیا اور اسی لئے اسماعیل باطنی فرقہ اس کے نام سے موسوم ہو گیا یعنی قرامطہ، قرامطہ نے الجنابی کی سربراہی میں ایک آزاد ریاست قائم کر لی اور اس کے بیٹے ابو طاہر نے ۹۳۰ میں مکے پر حملہ کر کے حجر اسود اکھیڑ لیا اور اپنے ساتھ لے گئے۔ بقول براؤن انہوں نے سو سال تک سلطنت عباسیہ کے باشندوں کو خوفزدہ رکھا۔

القداح کے عقائد! اس نے اپنی تحریک کو اسماعیلی فرقے کے ساتویں امام اسمٰعیل سے منسوب کیا۔ اس لئے اس تحریک کا نام اسمٰعیلی تحریک ہوا۔ مگر اس تحریک کو مختلف زمانوں میں مختلف ناموں سے یاد کیا گیا ہے۔ مثلاً سبعی، باطنی، تعلیمی، فاطمی، قرمطی اور حشیشی لیکن مورخوں نے اس تحریک کو ملاحدہ کے لقب سے یاد کیا ہے۔

القداح کے عقائد حسب ذیل ہیں۔

(الف) اس مذہب میں سات کا عدد بہت مقدس ہے اس کے بعد ۱۲ بارہ کا عدد مثلاً سبعہ سیارہ اور دوازدہ بروج، ہفتے کے سات دن اور سال کے بارہ مہینے۔

(ب) اصول ہفت گانہ، خدا، عقل کلی، نفس کلی، انسان، مادہ، زمان، مکان۔

(ج) سات صاحب شریعت نبی یا رسول، آدمؑ، نوحؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ، عیسیٰؑ، آنحضرت صلعم اور محمد التام (کامل) ابن اسمٰعیل ابن جعفر۔

(د) ہر رسول کے ساتھ جس کا لقب ناطق ہے ایک معاون بھی ہے جس کا لقب صامت ہے تفصیل اس کی یہ ہے آدم کے ساتھ شیث۔ نوح کے ساتھ سام، ابراہیم کے ساتھ اسمٰعیل، موسیٰ کے ساتھ ہارون، عیسیٰ کے ساتھ پطرس، آنحضرتؐ کے ساتھ علیؓ اور محمد بن اسمٰعیل کے

ساتھ القداح۔

(ہ) القداح نے اپنے عقائد کی تبلیغ کیلئے مبلغین تیار کئے ان کا لقب داعی تھا۔ دعاۃ کا طریق کار یہ تھا کہ وہ جس شہر میں جاتے وہاں کوئی پیشہ مثلاً تجارت یا طبابت اختیار کر لیتے سب سے پہلے وہ لوگوں کے دلوں میں اپنے متقی، مقدس، اور متورع ہونے کا نقش جماتے تھے۔ جب لوگ اُن کی بزرگی کے قائل ہو جاتے تھے تو وہ ان کے قلوب میں فلسفیانہ سوالات کے ذریعہ سے شکوک وساوس اور اضطراب پیدا کرتے تھے۔ مثلاً

۱۔ خدا نے یہ دنیا چھ دن میں کیوں پیدا کی جبکہ وہ ایک ساعت میں پیدا کر سکتا تھا۔
۲۔ صراط مستقیم کا حقیقی مفہوم کیا ہے؟
۳۔ عذاب دوزخ کی حقیقت کیا ہے؟ دوزخیوں کی کھال کس طرح بدلی جائے گی؟
۴۔ رمی جمار کی حقیقت کیا ہے؟
۵۔ دوزخ کے دروازے سات کیوں ہیں؟ جنت کے دروازے آٹھ کیوں ہیں؟
۶۔ آسمان سات کیوں ہیں؟ سورہ فاتحہ کی آیات سات کیوں ہیں؟
۷۔ کراماً کاتبین ہمیں نظر کیوں نہیں آتے؟
۸۔ حاملین عرش آٹھ کیوں ہیں؟ (قرآن ۲۹۔۱۷)
۹۔ ابلیس کی کیا حقیقت ہے؟
۱۰۔ یاجوج وماجوج اور ہاروت وماروت سے کیا مراد ہے؟
۱۱۔ تمام حیوانات میں انسان ہی دو ٹانگوں پر کیوں کھڑے ہو کر چلتا ہے؟
۱۲۔ ہاتھوں میں دس انگلیاں کیوں ہیں؟
۱۳۔ چار انگلیوں میں تین تین پورے کیوں ہیں؟ انگوٹھے میں صرف دو کیوں ہیں؟
۱۴۔ صرف چہرے میں سات مخارج کیوں ہیں؟ آٹھ یا نو کیوں نہیں؟

گریہ ندامت

حکیم محمد اختر

گریہ ندامت اور گناہ گاروں کے آنسوں کی قیمت حدیث قدسی کی روشنی میں حدیث قدسی کی تعریف

ہو الحدیث الزی یبینہ النبی ابلفظہ وینستبہ الی ربہ (مرقاۃ ج اصفحہ ۹۵) ترجمہ حدیث قدسی وہ حدیث ہے جس کو نبی اپنے الفاظ میں بیان کرے اور اس کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرے۔ علامہ سید محمود بغدادی آلوسی اپنی تفسیر روح المعانی سورہ القدر کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ فرشتے آسمانوں سے زمین پر گناہ گار بندوں کی توبہ اور ان کے رونے کی آواز سننے کے لئے مشتاقانہ آتے ہیں۔ ففی الحدیث القدسی لانین المزنبین احب الی من رجل المسبحین (روح المعانی پ۳۰، صفہ۱۹۶) ترجمہ: حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ مجھے اپنے گناہ گار بندوں کی توبہ واستغفار میں رونے کی آواز تسبیح پڑھنے والوں کی بلند آوازوں سے زیادہ محبوب ہے۔ اس مضمون کو جلیل شاعر نے اس طرح بیان کیا ہے۔

اے جلیل اشک گناہ گار کے اک قطرہ کو
ہے فضیلت تری تسبیح کے سودانوں پر

خشیت اور محبت کے آنسوؤں پر بروز محشر سایہ عرش کی بشارت

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا، سات قسم کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے سایہ رحمت میں رکھیں گے جس دن کہ اللہ کی رحمت کے سائے کے علاوہ اور کوئی سایہ نہ ہوگا ۱۔ امام عادل ۲۔ وہ جوان جس کی جوانی اپنے رب کی عبادت میں پروان چڑھی ۳۔ وہ آدمی جس کا قلب مساجد میں معلق ہو ۴۔ وہ دو آدمی جنہوں نے اللہ کی لئے آپس میں محبت کی اور اسی محبت پر جمے رہے اور اسی محبت پر موت آئی ۵۔ اور وہ آدمی جس کو صاحب نسب وحسب و

صاحب جمال عورت نے شہوت کی طرف دعوت دی اور اس نے کہہ دیا کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ (۶) اور وہ آدمی جس نے ایسا مخفی صدقہ دیا کہ بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہوئی جو کچھ کہ اس نے داہنے ہاتھ سے دیا (۷) اور وہ آدمی جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا اور اس کی آنکھ سے آنسو جاری ہو گئے۔

تشریح

حافظ علامہ ابن حجر عسقلانی ؒ جنہوں نے بخاری کی شرح فتح الباری ۱۴ جلدوں میں تحریر فرمائی ہے۔ فتح الباری ج ۲ ص ۱۴۳ تا ص ۱۴۷ پر اس حدیث کی شرح تحریر فرماتے ہیں (۱) سایہ سے مراد اللہ تعالیٰ کے عرش کا سایہ ہے جیسا کہ دوسری روایت میں **سبعة یظلهم الله فی ظل عرشه** آیا ہے۔ اس حدیث کے راوی سلمان ہیں جو اسناد حسن سے وارد ہیں (۲) جوان کو اس لئے خاص کیا جوانی میں غلبہ شہوت کے سبب عبادت مشکل ہوتی ہے پس جوان کی عبادت غلبہ تقویٰ کی دلیل ہے حدیث سلمان میں عبارت ہے **افنا شبا به و نشا طه فی عبادة الله** یعنی وہ جوان جو اپنی جوانی کو اور اپنے عیش وعشرت کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں فنا کر دے (۳) قلب کو مسجد میں معلق کرنا علامت ہے شدت محبت مع الحق کی کہ جب گھر سے اتنی محبت ہے تو گھر والے سے یعنی اللہ تعالیٰ سے کتنی محبت ہوگی اور اس حدیث کی دلالت ہے مسجد میں رہ کر عبادت میں دیر تک مشغول رہنے کی اور ضرورتاً مسجد سے باہر رہتے ہوئے دل مسجد میں لگے رہنے کی۔ کیا خوب شعر ہے حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب سہارنپوری کا۔

گو ہزاروں شغل ہیں دن رات میں
لیکن اسعد آپ سے غافل نہیں

احقر کا یہ شعر ہے جو اللہ والوں کی شان بیان کرتا ہے۔

دنیا کے مشغلوں میں بھی یہ باخدار ہے
یہ سب کے ساتھ رہ کے بھی سب سے جدار ہے

(۴) تحابا ب پر تشدید ہے اصل میں تحابیا تھا یعنی دو مسلمان اللہ کے لئے محبت میں شریک ہوں اور ایک دوسرے سے حقیقی محبت کریں نہ کے صرف اظہار زبانی۔ (**اجتمعا علی ذالک و تفرقا علیہ**) مراد یہ ہے کہ دو مسلمانوں کی محبت صرف اللہ کی خاطر ہو اور اس محبت کو دنیوی اغراض کی وجہ سے ضائع نہ کریں اور آپس کا یہ اجتماع چاہے حقیقی ہو یا معنوی ہو یعنی چاہے ظاہری فاصلے ہوں مگر دل ملے ہوئے ہوں۔ یہاں تک کہ موت ہی ان کو جدا کرے۔ (فتح الباری ج ۲) فائدہ احقر عرض کرتا ہے کہ دل کا ملنا بہت ضروری ہے ورنہ اگر دل نہ ملیں تو اجسام کا ملنا غیر مفید ہے۔ شاعر کہتا ہے۔

آدمی سے آدمی ملتا ہے

دل مگر کم کسی سے ملتا ہے

(۵) (**رجل طلبیة ذات منصب الخ**) ای الی نفسہا یعنی اپنے نفس کی طرف دعوت دے اور **بروایت امام بیہقی فعرضت نفسہا علیہ** یعنی اس عورت نے اپنے نفس کو پیش کر دیا اور ظاہر یہ ہے کہ اس نے برائی کی طرف دعوت دی **وبہ جزم القرطبی** کی یہی رائے ہے۔ پس جس شخص نے اس کی دعوت گناہ کو رد کردیا اور کہہ دیا کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں اس کو بھی بروز محشر عرش کا سایہ نصیب ہوگا ۔(۶) (**ورجل تصدق اخفاءً**) اس کی تشریح واضح ہے کہ مخلوق سے مخفی صدقہ کرنا چاہئے اور اس کی محدثین نے یہی مصلحت لکھی ہے کہ اخفاء کی بدولت ریاء سے حفاظت رہتی ہے۔

تنہائی کے آنسوؤں کی قدر و منزلت:

(۷) **ورجل ذکر اللہ خالیا: أی بقلبہ من التذکر او بلسانہ من الذکر** یعنی اللہ تعالیٰ کو دل میں یاد کیا یا زبان سے ذکر کیا۔ خلوت کی قید اس لئے ہے کہ تنہائی میں ریاء سے حفاظت رہتی ہے۔ امام بیہقی کی روایت سے خلوت سے مراد غیر اللہ سے عدم التفات ہے یعنی **طھارۃ الاسرار من دلس الاغیار** باطن کا غیر اللہ کی نجاست سے پاک ہونا (**کذا فی الروح**) اور عبداللہ ابن مبارک کی

روایت وحماد ابن زید کی روایت سے خلوت سے مراد ہے **ای فی موضع خال وھی اصح** یعنی تنہائی میں آنسو کا نکلنا اصح ہے امام بیہقی کی روایت میں ذکر اللہ بین یدیہ ہے اور عبداللہ ابن مالک اور حماد ابن زید کی روایت میں ذکر اللہ فی خلاء ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی کے نزدیک قول راجح یہی ہے کہ یہ فضیلت مذکور تنہائی میں رونے پر ہے (**ففاضت عیناہ**) یعنی اس کی دونوں آنکھوں سے یا ایک آنکھ سے آنسو نکل پڑیں اور آنکھوں کی طرف بہنے کی نسبت مجاز مرسل ہے۔ جس کا نام تسمیۃ باسم الحال جیسے نہر جاری ہے۔ حالانکہ پانی جاری ہے۔ یہ آنسو اگر مراقبہ، اوصاف جلال سے ہیں تو اللہ تعالی کی خشیت سے ہیں اور اگر مراقبہ، اوصاف جمال سے ہیں تو یہ رونا غلبہ، شوق سے ہے ۔ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ روایت حماد ابن زید میں **ففاضت عیناہ من خشیتہ اللہ** ہے اور اسی طرح روایت بیہقی میں ہے اور حاکم کی روایت ہے کہ حضرت انسؓ سے مرفوعا اس طرح مروی ہے **من ذکر اللہ ففاضت عیناہ من خشیتہ اللہ حتی لصیب الارض من دموعہ لم یعذب لم القیامۃ** یعنی جو اللہ کو یاد کرے اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑیں اللہ کے خوف سے یہاں تک کہ زمین تک اس کے آنسو پہنچ جائیں تو اللہ تعالی قیامت کے دن اس کو عذاب نہیں دیں گے۔

ارشاد نبوی ﷺ حدیث: حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے ایک درخت پر ایک چڑیا دیکھی فرمایا **طوبی لک یا طیر** مبارک ہوا اے چڑیا تجھ کو تو درختوں پر چرتی ہے۔ اور درختوں کے پھل کھاتی ہے

قربانی کے احکام و مسائل

محمد یوسف اصلاحی

قربانی کرنے والے کیلئے مسنون عمل

جو شخص بھی قربانی کا ارادہ کرے وہ ذوالحج کا چاند دیکھنے کے بعد نہ جسم کے کسی حصہ کے بال کاٹے اور مونڈے اور نہ ناخن کتروائے پھر جب قربانی کا جانور ذبح کر لے تو بال اور ناخن وغیرہ بنوائے یہ عمل مسنون ہے واجب نہیں ہے اور جو شخص قربانی کی وسعت نہ رکھتا ہو اس کے لئے بھی بہتر یہ ہے کہ وہ قربانی کے دن اپنے بال بنوائے ناخن کٹوائے خط بنوائے اور زیر ناف کے بال لے خدا کے نزدیک اس کا یہی عمل قربانی کا قائم مقام بن جائے گا حضرت ام سلمہؓ کا بیان ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا ''جس کو قربانی کرنا ہو ذوالحج کا چاند دیکھنے کے بعد نا اپنے بال بنوائے نہ ناخن کٹوائے یہاں تک کہ قربانی کر لے'' حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کا بیان ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے میں اضحیٰ کے دن (دس ذولحجہ کو) عید مناؤں اللہ نے اس دن کو اس امت کے لئے عید کا دن قرار دیا ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ یہ بتایئے کہ اگر میرے پاس ایک ہی بکری ہو جو کسی نے دودھ کے لئے مجھے دے رکھی ہو تو کیا میں اس کی قربانی کروں؟ ارشاد فرمایا نہیں تم اس کی قربانی نہ کرو بلکہ (قربانی کے دن) اپنے بال بنوالینا، اپنے ناخن کٹوالینا، اپنی موچھیں کتروا کر درست کرالینا اور زیر ناف کے بال صاف کر لینا بس خدا کے نزدیک یہی تمہاری پوری قربانی ہو جائے گی۔

قربانی کے جانور اور ان کے احکام

۱۔ قربانی کے جانور یہ ہیں۔ اونٹ، اونٹنی، دنبہ، بکرا، بھیڑ، بکری، گائے، بیل، بھینس، بھینسا ان جانوروں کے علاوہ اور کسی جانور کی قربانی جائز نہیں۔

۲۔ دنبہ، بکرا، بکری، بھیڑ کی قربانی صرف ایک آدمی کی طرف سے ہو سکتی ہے ایک سے زائد کئی آدمی اس میں حصہ دار نہیں ہو سکتے۔

۳۔ گائے بھینس اور اونٹ میں سات حصے ہو سکتے ہیں۔ سات سے زائد نہیں مگر اس کے لئے دو شرطیں ہیں پہلی یہ کہ ہر حصہ دار کی نیت قربانی یا عقیقے کی ہو محض گوشت حاصل کرنے کی نیت

نہ ہو دوسری شرط یہ ہے کہ ہر حصے دار کا حصہ ٹھیک **1/7** ہو اس سے کم کا حصہ دار نہ ہو ان دو شرطوں میں سے کوئی بھی پوری نہ ہوئی تو قربانی صحیح نہ ہوگی۔

۴۔ گائے بھینس اونٹ میں سات افراد سے کم بھی شریک ہو سکتے ہیں مثلاً کوئی دو چار یا کم بیش حصے لیں مگر اس میں بھی یہ شرط ضروری ہے کہ کوئی حصہ دار ساتویں حصہ سے کم کا شریک نہ ہو ورنہ کسی کی قربانی صحیح نہ ہوگی۔

۵۔ ایک شخص نے گائے خریدی اور ارادہ یہ ہے کہ دوسروں کو شریک کر کے قربانی کرلیں گے تو یہ درست ہے اور اگر خریدتے وقت پوری گائے اپنے ہی لیے خریدی پھر بعد میں دوسروں کو شریک کرنے کا ارادہ کرلیا یہ بھی جائز ہے البتہ بہتر یہی ہے کہ ایسی صورت میں اپنے پہلے ارادہ کے مطابق پورا جانور اپنی طرف سے ہی کرے لیکن دوسروں کو شریک کرنا ہی چاہے تو خوش حال آدمی کو شریک کرے جس پر قربانی واجب ہو اگر کسی ایسے شخص کو شریک کرلیا جس پر قربانی واجب نہیں ہے تو درست نہیں۔

۶۔ گائے بھینس کی قربانی میں ایک یا ایک سے زائد افراد کے حصے از خود ہی تجویز کر کے قربانی کر لی اور ان افراد کی مرضی اور اجازت نہیں لی تو یہ قربانی صحیح نہیں ہے جن لوگوں کے بھی حصے رکھے جائیں ان کے کہنے سے رکھے جائیں یہ نہیں کہ از خود حصہ دار تجویز کر کے قربانی تو پہلے کر لی جائے اور حصہ داروں کی مرضی اور اجازت بعد میں حاصل کی جائے۔

۷۔ بکرا، بکری اور دنبہ، بھیڑ جب پورے سال بھر کے ہو جائیں تو ان کی قربانی درست ہے سال سے کم کے ہوں تو قربانی درست نہیں اور گائے بھینس پورے دو سال کے ہو جائیں تو ان کی قربانی درست ہے دو سال سے کم کے ہوں تو ان کی قربانی درست نہیں اور اونٹ پورے پانچ سال کا ہو تب قربانی درست ہے پانچ سال سے کم کا ہو تو اس کی قربانی درست نہیں۔

۸۔ جس جانور کے سینگ پیدائشی طور پر نکلے ہی نہ ہوں یا نکلے ہوں مگر کچھ حصہ ٹوٹ گیا ہو تو اس کی قربانی جائز ہے البتہ جس جانور کے سینگ بالکل جڑ سے ہی ٹوٹ گئے ہوں اس کی قربانی جائز نہیں۔

۹۔ اندھے کانے جانور کی قربانی درست نہیں اور اس لنگڑے جانور کی قربانی بھی درست نہیں

جو صرف تین پیروں سے چلتا ہو چوتھا پیر زمین پر رکھا ہی نہ جاتا ہو یا رکھتا ہو لیکن اس پر زور دے کر نہ چلتا ہو صرف تین پیروں کے سہارے ہی چلتا ہو ہاں اگر چوتھا پیر بھی کام کر رہا ہو اور چلنے میں صرف لنگ ہو تو قربانی درست ہے۔

۱۰۔ جس جانور کا کان ایک تہائی سے زیادہ کٹ گیا ہو یا دم ایک تہائی سے زیادہ کٹ گئی ہو تو اس کی قربانی درست نہیں۔

۱۱۔ دبلے پتلے جانور کی قربانی تو جائز ہے البتہ بہتر یہ ہے کہ موٹا تازہ صحیح سالم اور خوبصورت جانور خدا کی راہ میں قربان کیا جائے اور اگر جانور ایسا مریل اور دبلا کمزور ہو کہ اس کی ہڈیوں میں گودا ہی نہ رہ گیا ہو تو اس کی قربانی درست نہیں۔ ''حضرت ابو سعیدؓ کا بیان ہے کہ حضرت محمد ﷺ ایک سینگوں والے موٹے تازے دنبے کی قربانی کر رہے تھے جس کی آنکھوں کے گرد سیاہی تھی جس کا منہ بھی سیاہ رنگ کا تھا اور جس کی ٹانگیں بھی سیاہ رنگ کی تھیں''۔ ''حضرت جابر بن عبداللہ کا بیان ہے کہ قربانی کے دن نبی ﷺ نے دو دنبے سینگوں والے چت کبرے اور خصی ذبح کیے''۔

۱۲۔ جس جانور کے پیدائشی طور پر کان نہیں ہیں یا ہیں تو بہت چھوٹے ہیں اس کی قربانی درست ہے۔

۱۳۔ جس جانور کے دانت بالکل ہی نہ ہوں اس کی قربانی درست نہیں اور چند دانت گرے ہوں باقی زیادہ دانت موجود ہوں تو اس کی قربانی درست ہے۔

۱۴۔ خصی بکرے اور مینڈھے کی قربانی درست ہے خصی ہونا عیب نہیں بلکہ جانور کو فربہ کرنے کا ایک سبب ہے خود نبی ﷺ نے خصی دنبہ کی قربانی کی ہے۔

۱۵۔ ایک خوش حال آدمی نے جس پر قربانی واجب تھی ایک جانور قربانی کے لئے خرید اخرید لینے کے بعد اس میں کوئی ایسا عیب پیدا ہو گیا جس میں اس کی قربانی درست نہ رہی تو ضروری ہے کہ وہ شخص دوسرا جانور خرید کر اسے قربان کرے ہاں اگر کسی نادار شخص کے ساتھ ایسا واقعہ ہوا جس پر قربانی واجب نہ تھی تو اس کے لئے اسی عیب دار جانور کی قربانی کر لینا جائز ہے۔

۱۶۔ گائے اور بکری اگر حاملہ ہو تو اس کی قربانی بھی جائز ہے اگر بچہ زندہ برآمد ہو تو اس کو بھی

ذبح کر لینا چاہئے۔

قربانی کا حکم

۱۔قربانی کرنا واجب ہے نبی ﷺ کا ارشاد ہے جس کے راوی حضرت ابو ہریرہؓ ہیں "جو شخص وسعت رکھتے ہوئے قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے"۔ "حضرت عبداللہ بن عمر سے ایک شخص نے پوچھا کہ کیا قربانی واجب ہے؟ آپ نے جواب دیا نبی ﷺ نے اور مسلمانوں نے قربانی کی ہے اس نے پھر یہی سوال دہرایا کہ کیا قربانی واجب ہے؟ ارشاد فرمایا تم سمجھتے ہو نبی ﷺ اور مسلمانوں نے قربانی کی ہے"

۲۔قربانی قارن پر بھی واجب ہے اور متمتع پر بھی البتہ مفرد پر واجب نہیں گر وہ اپنے طور پر کر لے تو اجر و ثواب کا مستحق ہوگا۔

۳۔زائرین حرم کے علاوہ عام مسلمانوں پر بھی قربانی واجب ہونے کے لئے دو شرطیں ہیں ایک یہ کہ وہ خوش حال ہوں خوش حال سے مراد یہ ہے کہ اس کے پاس اتنا مال و اسباب ہو جو اس کی بنیادی ضرورتوں سے زیادہ ہو اور اگر ان کا حساب لگایا جائے تو یہ بقدر نصاب ہو جائے یعنی جس شخص پر صدقہ فطر واجب ہے اس پر قربانی بھی واجب ہے دوسری شرط یہ ہے کہ وہ مقیم ہو مسافر پر قربانی واجب نہیں۔

۴۔قربانی صرف اپنی ہی جانب سے واجب ہے، نہ بیوی کی طرف سے ہے اور نہ اولاد کی طرف سے۔

۵۔کسی شخص پر قربانی شرعاً واجب نہیں تھی لیکن اس نے قربانی کی نیت سے کوئی جانور خرید لیا تو اب اس جانور کی قربانی واجب ہوگئی۔

۶۔ایک شخص پر قربانی واجب تھی لیکن قربانی کے تینوں دن گزر گئے اور وہ کسی وجہ سے قربانی نہیں کر سکا، اگر اس نے بکری وغیرہ خرید لی تھی تب تو اسی بکری کو زندہ خیرات کر دے اور نہ خریدی ہو تو ایک بکری کی قیمت بھر رقم خیرات کر دے۔

۷۔کسی نے منت یا نذر مانی کہ میرا فلاں کام ہو جائے تو قربانی دوں گا پھر خدا کے فضل و کرم سے وہ کام ہو گیا تو چاہے یہ شخص خوشحال ہو یا نادار بہر حال اس پر قربانی واجب ہوگئی اور نذر کی

قربانی کا حکم یہ ہے کہ اس کا سارا گوشت غریبوں اور حاجت مندوں میں تقسیم کردیا جائے، قربانی کرنے والا خود بھی نہ کھائے اور نہ خوشحال لوگوں کو کھلائے۔

قربانی کے ایام اور وقت

ا۔عید الاضحیٰ ذوالحجہ کی دسویں تاریخ سے لے کر ذوالحجہ کی بارہویں تاریخ تک غروب آفتاب سے پہلے تک قربانی کے ایام ہیں ان تین ایام میں سے جب اور جس دن سہولت ہو قربانی کرنا جائز ہے لیکن قربانی کا سب سے افضل دن عید الاضحیٰ کا دن ہے پھر گیارہویں تاریخ اور پھر بارہویں۔

۲۔شہر اور قصبات کے باشندوں کے لئے نماز عید سے پہلے قربانی کرنا درست نہیں، جب لوگ نماز سے فارغ ہو جائیں تب قربانی کریں۔البتہ دیہات کے باشندے نماز فجر کے بعد بھی قربانی کر سکتے ہیں۔

۳۔شہر اور قصبات کے باشندے اگر اپنی قربانی کسی دیہات میں کرار ہے ہوں تو ان کے جانوروں کی قربانی دیہات میں فجر کے بعد بھی ہو سکتی ہے اور اگر وہاں سے نماز عید سے پہلے ہی گوشت آجائے تب بھی یہ قربانی درست ہے۔

۴۔ایام قربانی یعنی ذوالحجہ کی دس تاریخ سے بارھویں تاریخ غروب آفتاب تک جس وقت چاہیں قربانی کر سکتے ہیں دن میں بھی اور رات میں بھی لیکن افضل یہی ہے کہ شب میں قربانی نہ کی جائے ہوسکتا ہے کہ کوئی رگ سلیقے سے نہ کٹے یا رہ جائے اور قربانی نہ ہو

۵۔قربانی واجب ہونے کی دو شرطیں ہیں مقیم ہونا اور خوشحال ہونا، اگر کوئی شخص سفر میں ہے اور وہ بارہویں ذوالحجہ کو غروب آفتاب سے پہلے اپنے وطن پہنچ گیا اور خوشحال ہے تو اس پر قربانی واجب ہوگئی اور اگر وہ مقیم ہے اور نادار ہے لیکن بارھویں ذوالحجہ کو غروب آفتاب سے پہلے خدا نے اسے مال و دولت سے نواز دیا تو اس پر قربانی واجب ہوگئی۔

قربانی کے متفرق مسائل

ا۔قربانی کرتے وقت نیت کا زبان سے اظہار کرنا اور دعا پڑھنا ضروری نہیں صرف دل کی نیت اور ارادہ قربانی صحیح ہونے کے لئے کافی ہے البتہ زبان سے دعا پڑھنا بہتر ہے۔

۲۔اپنی قربانی کا جانور اپنے ہی ہاتھ سے ذبح کرنا بہتر ہے ہاں اگر کسی وجہ سے خود نہ ذبح کر

سکے تو کم از کم وہاں موجود ہی رہے اور خواتین بھی اپنی قربانی کا جانور ذبح ہوتے وقت موجود رہیں تو بہتر ہے نبی اکرم ﷺ نے قربانی کے وقت حضرت فاطمہؓ سے فرمایا" فاطمہؓ! اٹھو اپنی قربانی کے جانور کے پاس کھڑی ہو اس لئے کہ اس کے ہر قطرہ خون کے بدلے تمہارے پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے، فاطمہؓ نے کہا یا رسول اللہ! یہ ہم اہل بیت کے لئے ہی خصوصی کرم ہے یا ہمارے لئے بھی ہے اور عام مسلمانوں کے لئے بھی؟ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا، ہمارے لئے بھی ہے اور سارے مسلمانوں کے لئے بھی ہے"

۳۔ گائے بھینس وغیرہ کی قربانی میں کئی افراد شریک ہوں تو گوشت کی تقسیم اندازے سے نہ کریں بلکہ سری پائے اور گردہ کلیجی وغیرہ سب کو شامل کر کے سات حصے بنائیں پھر جس کے جتنے حصے ہوں ان سب کو حساب سے دیں۔

۴۔ قربانی کا گوشت خود بھی کھا سکتے ہیں اپنے رشتے داروں دوست احباب میں بھی تقسیم کر سکتے ہیں، بہتر یہ ہے کہ کم از کم ایک تہائی تو غرباء اور مساکین میں تقسیم کر دیں اور باقی اپنے اور اپنے عزیز و اقارب اور دوست احباب کے لئے رکھ لیں لیکن یہ لازم نہیں ہے کہ ایک تہائی خیرات ہی کیا جائے، ایک تہائی سے کم بھی فقیروں اور غریبوں میں بانٹ دیا جائے تو کوئی گناہ نہیں۔

۵۔ گائے بھینس اور اونٹ کی قربانی میں کئی افراد شریک ہیں اور وہ آپس میں گوشت تقسیم کرنے کے بجائے سب ایک ساتھ ہی فقراء اور مساکین کو تقسیم کرنا چاہتے ہیں یا پکا کر کھلانا چاہتے ہیں تو یہ بھی جائز ہے۔

۶۔ قربانی کا گوشت غیر مسلموں کو دینا بھی جائز ہے، البتہ اجرت میں دینا جائز نہیں۔

۷۔ قربانی کی کھال کسی بھی حاجت مند کو خیرات میں دی جا سکتی ہے اور اس کو فروخت کر کے رقم بھی خیرات کی جا سکتی ہے یہ رقم ان لوگوں کو دینا چاہئے جن کو زکوۃ دی جاتی ہے۔

۸۔ قربانی کی کھال کو اپنے کام میں لانا بھی جائز ہے مثلاً نماز پڑھنے کے لئے جانماز بنوالی جائے یا ڈول وغیرہ بنوالیا جائے۔

۹۔ قصاب کو گوشت بنانے کی مزدوری میں گوشت کھال یا رسی نہ دی جائے بلکہ مزدوری الگ سے دی جائے اور جانور کی رسی، کھال وغیرہ سب خیرات کر دینی چاہئے۔

۱۰۔ جس شخص پر قربانی واجب ہے اس کو تو کرنا ہی ہے جن پر واجب نہیں ہے ان کو بھی اگر غیر معمولی زحمت نہ ہو تو ضرور قربانی کرنی چاہئے البتہ دوسروں سے قرض لے کر قربانی کرنا مناسب نہیں۔

مردوں کی طرف سے قربانی

خدا نے جس شخص کو مال و دولت سے نوازا ہے وہ صرف واجب قربانی پر ہی کیوں اکتفاء کرے بلکہ قربانی کا بے حدوحساب اجر وانعام پانے کے لئے اپنے بزرگوں یعنی مردہ ماں باپ، دادا، دادی اور دوسرے رشتے داروں کی طرف سے بھی قربانی کرے تو بہتر ہے، اور اپنے محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم جن کی بدولت ہدایت و ایمان کی دولت نصیب ہوئی ہے، کی طرف سے قربانی تو مومن کی بہت بڑی سعادت ہے۔ اسی طرح ازواج مطہرات یعنی اپنی روحانی ماؤں کی طرف سے قربانی کرنا بھی انتہائی خوشی کی بات ہے۔

پاکستان کے انحطاط کا راز

(کے ایم اعظم)

ایک عرصہ دراز سے عالم اسلام کے زوال اور اپنے وطن عزیز کے انحطاط کے اسباب متعین کرنے اور ان کا مثبت حل ڈھونڈنے کے لئے مضطرب رہا ہوں۔ دُنیائے اسلام کی اندرونی تقسیم اور شکست وریخت کے علاوہ اس کی باطنی کمزوریوں کا قریب سے مشاہدہ کرکے میرا دل پیچ وتاب کھاتا رہا ہے۔ میرے لئے یہ سوال سوہان روح بنا رہا کہ جب دنیا کے مسلمان ایک اللہ، ایک رسول ﷺ اور ایک کتاب پر یقین محکم رکھتے ہیں تو پھر وہ دنیا کو ایک چہرہ کیوں نہیں دکھاتے؟ وہ اتنے مذاہب، مسلکوں، فرقوں اور گروہوں میں کیوں بٹ کے رہ گئے ہیں؟ کیا وجہ ہے کہ ہم میں معاشرتی شعور کا فقدان اس قدر ہے؟ ہم توحید کی رٹ لگانے کے باوجود، توحید پر قائم کیوں نہیں ہو پا رہے؟ اس کے برعکس ہمارے معاشرے میں بت پرستی کیوں اتنے مختلف الوان میں رائج ہے۔ ہمارے علما انسان سازی میں اتنے ناکام کیوں رہے ہیں؟ ہمارا نظام تعلیم ایسے افراد کیوں پیدا نہیں کرسکا، جن کی تمنا ہم میں سے ہر کوئی اپنے دل میں لئے ہوئے ہے؟ ہماری دینی تبلیغ اتنی بے اثر کیوں ہے؟ جب حقوق العباد کے متعلق اللہ تعالیٰ کے احکامات اتنے واضح اور شفاف ہیں تو ظاہراً دیندار مسلمان اِن کو ادا کرنے سے کیوں قاصر رہ جاتے ہیں؟ ہمارے دینی راہنما اتنے مصلحت کوش اور مفاد پرست کیوں ہیں؟ دنیا بھر میں اسلام کے نام پر اُٹھنے والی تحریکیں کیوں ناکام رہ جاتی ہیں؟ اتنی بڑی اسلامی حرکت کے کوئی نتائج کیوں برآمد نہیں ہورہے؟ اللہ جل جلالہ اور رسول عالی مرتبت ﷺ کے نام پر معرض وجود میں آنے والی اِس مملکت خداداد میں خاتم الرسل ﷺ کا دین قیم آخر رائج کیوں نہیں ہورہا؟

برصغیر ہندو پاکستان میں علماء ایک صدی سے مسلم عوام کو، رجوع اِلی اللہ، اور رجوع الی القرآن، کی تلقین کرتے چلے آرہے ہیں جبکہ وہ خود مغرب کے نظریہ (آئیڈیالوجی) سے بہت متاثر تھے اور اِس اساس پر غلبہ اسلام کے خواہاں تھے، یعنی وہ ایک سیکولر طریق کار کو اپنا کر ایک ربانی فریضہ ادا کرنا چاہتے تھے۔ یہی ہماری قوم کا المیہ رہا ہے کہ ہم اللہ اور بتوں دونوں کو خوش رکھنا چاہتے ہیں، جو کہ ناممکن ہے۔ بہر حال میں کئی سالوں سے اِن مسائل پر سوچتا رہا ہوں اور اِس سوچ کا اظہار موقر نوائے وقت کے کالموں میں کرتا رہا ہوں۔ مگر اتنا کچھ لکھنے کے بعد بھی بات

تشنہ ہی رہی اور محسوس ہوتا رہا کہ ان مسائل کی اصل اور بنیادی وجہ پر گرفت نہیں ہو سکی۔

ایک روز ان ہی خیالات میں غلطاں بیٹھا تھا کہ ایک مرد قلندر کا ادھر سے گذر ہوا اور اس نے بڑی بے اعتنائی سے ان وجوہات کی وجہ کی نشاندہی کر دی۔ حیرت اس بات سے ہوئی کہ وہ ام الوجوہات لاکھوں بار کانوں سے سنی تھی اور نظروں سے دیکھی تھی مگر توجہ اس کی طرف مبذول نہ ہوئی تھی۔ یہ بات اتنی عام اور واضح ہے کہ اب بھی سمجھنے والے ہی اسے سمجھیں گے۔

مسلمانوں، مسلمان عالم بالعموم اور مسلمان پاکستان بالخصوص، کے انحطاط کی بنیادی وجہ سورۃ البقرہ کی آیت میں روز روشن کی طرح عیاں کر دی گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ " کلام اللہ صرف متقی لوگوں کے لئے ہے اور وہ ہی اس سے ہدایت پا سکیں گے "۔ قرآن حمید کا پیغام منافقین کے لئے نہیں ہے، جو کہ ہم میں سے اکثر ہیں۔ متقین کا مطلب وہ صالح اور پرہیز گار لوگ ہیں، جو اللہ تعالیٰ کا شعور رکھتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہوئے اپنی زندگیاں ظاہری اور باطنی طور پر اس کے احکامات کے مطابق گذارتے ہیں۔ سورۃ البقرہ کی تیسری سے پانچویں آیات ہم پر واضح کرتی ہیں کہ تقویٰ رکھنے والے لوگوں کی کیا نشانیاں ہیں۔ پہلی یہ کہ وہ غیب پر یقین رکھتے ہیں، یعنی وہ ان عقل پرست، سائنس زدہ لوگوں کی طرح نہیں ہوتے، جو جس کو دیکھتے ہیں صرف اسی کو مانتے ہیں۔ دوسری یہ کہ وہ نماز قائم کرتے ہیں اور تیسری یہ کہ جو رزق اللہ نے ان کو دیا ہے۔ (کم یا زیادہ) اس میں سے اللہ کی راہ میں کھلے دل سے خرچ کرتے ہیں۔ چوتھی یہ کہ قرآن کریم اور جو کتابیں اس سے پہلے نازل کی گئی تھیں ان سب پر ایمان لاتے ہیں اور پانچویں یہ کہ وہ آخرت یعنی یوم حساب پر یقین رکھتے ہیں۔ ان پانچ چیزوں پر ایمان رکھنے والے لوگ ہی اپنے رب کی طرف سے راہ راست پر ہیں اور صرف وہی فلاح پانے والے ہیں۔ اس کے بعد سورۃ بقرہ میں صرف دو آیات (چھٹی وساتویں) کافروں کیلئے ہیں۔ ان میں یہ بتایا گیا ہے کہ جن لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی باتوں کو ماننے سے انکار کر دیا، ان کیلئے یکساں ہے، خواہ تم انہیں خبردار کرو یا نہ کرو، بہر حال وہ ماننے والے نہیں ہیں۔ اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا ہے۔ وہ سخت سزا کے مستحق ہیں۔ ان آیات میں ایک نقطہ نظر یہ بھی ہے کہ کافر دوغلے نہیں ہوتے بلکہ اپنے عقیدہ کو سچ جان کر اس پر سختی سے قائم ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کی اصطلاح پر وقت ضائع کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ان کے معاملے میں ایک

حدیث نبوی شریف ہے کہ ''جو کفر میں بڑا ہے، وہ اسلام میں بھی بڑا ہے''۔ حضرت عمرؓ کی درخشاں مثال ہمارے سامنے ہے۔ اس کے بعد سورۃ بقرہ کی 13 آیات، آٹھویں سے بیسویں، منافقین کے لئے ہیں۔ ان آیات قرآنی کا ترجمہ وتفسیر تفہیم القرآن میں اس طرح کی گئی ہے۔

''بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے ہیں، حالانکہ درحقیقت وہ مومن نہیں ہیں۔ یہ لوگ اپنے آپ کو اس غلط فہمی میں مبتلا کئے ہوئے ہیں کہ ان کی منافقانہ روش ان کے لئے مفید ہوگی، حالانکہ دراصل یہ ان کو دنیا میں بھی نقصان پہنچائے گی اور آخرت میں بھی۔ دنیا میں ایک منافق چند روز کیلئے تو لوگوں کو دھوکا دے سکتا ہے مگر ہمیشہ کیلئے نہیں۔ آخرکار اس کی منافقت کا راز فاش ہو کر رہتا ہے۔ اور پھر معاشرے میں اس کی کوئی ساکھ باقی نہیں رہتی۔ رہی آخرت کی بات، تو وہاں ایمان کا زبانی وعدہ کوئی قیمت نہیں رکھتا اگر عمل اس کے خلاف ہو۔ منافقوں کے دلوں میں ایک بیماری ہے جسے اللہ نے اور زیادہ بڑھا دیا اور وہ جھوٹ بولتے ہیں، جس کی پاداش میں اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔ جب کبھی ان سے کہا گیا کہ زمین میں فساد برپا نہ کرو، تو انہوں نے یہی کہا کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔ خبردار! حقیقت میں یہی لوگ مفسد ہیں مگر انہیں شعور نہیں ہے۔ اور جب ان سے کہا گیا کہ جس طرح دوسرے لوگ ایمان لائے ہیں اسی طرح تم بھی ایمان لاؤ تو انہوں نے یہی جواب دیا کہ کیا ہم بیوقوفوں کی طرح ایمان لائیں۔ یعنی وہ اپنے نزدیک ان لوگوں کو بیوقوف سمجھتے تھے جو سچائی کے ساتھ اسلام قبول کر کے اپنے آپ کو تکلیفوں، مشقتوں اور خطرات میں مبتلا کر رہے تھے۔ ان کی رائے میں یہ سراسر احمقانہ فعل تھا کہ محض حق اور راستی کی خاطر تمام ملک کی دشمنی مول لے لی جائے۔ ان کے خیال میں عقل مندی یہ تھی کہ آدمی حق اور باطل کی بحث میں نہ پڑے، بلکہ ہر معاملے میں صرف اپنے مفاد کو دیکھے۔ حقیقت میں منافقین خود بیوقوف ہیں، مگر یہ جانتے نہیں ہیں جب یہ اہل ایمان سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں اور جب علیحدگی میں اپنے شیطانوں (سرداروں) سے ملتے ہیں، تو کہتے ہیں کہ اصل میں ہم تمہارے ساتھ ہیں اور ان لوگوں سے محض مذاق کر رہے ہیں۔ اللہ ان سے مذاق کر رہا ہے، وہ ان کی رسی دراز کئے جاتا ہے اور یہ اپنی سرکشی میں اندھوں کی طرح بھٹکتے چلے جاتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی ہے، مگر یہ سودا ان کے لئے نفع بخش نہیں ہے اور یہ ہرگز صحیح راستے

پر نہیں ہیں۔

جب رسول اللہ ﷺ نے دین کی روشنی پھیلائی اور حق کو باطل سے صحیح کو غلط سے، راہ راست کو گمراہیوں سے چھانٹ کر بالکل نمایاں کر دیا، تو جو لوگ دیدہ بینار کھتے تھے، ان پر ساری حقیقتیں روشن ہو گئیں، مگر یہ منافق، جو نفس پرستی میں اندھے ہو رہے تھے، ان کو اس روشنی میں کچھ نظر نہ آیا یہ حق کی بات سننے کے لئے بہرے ہیں۔ حق گوئی کے لئے گونگے اور حق بینی کے لئے اندھے ہیں۔ اب یہ نہ پلٹیں گے۔ ان میں سے کچھ لوگ بجلی کے کڑاکے سن کر اپنی جانوں کے خوف سے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے ہیں۔ اللہ ان منکرین حق کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ بجلی کی چمک سے اِن کی حالت یہ ہو رہی ہے کہ گویا عنقریب اِنکی بصارت اچک لی جائے گی۔ جب ذرا سی روشنی ہوتی ہے تو اس میں کچھ دور چل لیتے ہیں اور جب اندھیرا چھا جاتا ہے تو کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اللہ چاہتا تو اِن کی سماعت اور بصارت بالکل ہی سلب کر لیتا، یقیناً وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ یہاں پر دو قسم کے منافقین کا ذکر ہے۔ پہلی مثال ان منافقین کی تھی جو دل میں قطعی منکر تھے اور کسی غرض و مصلحت سے مسلمان بن گئے تھے اور دوسری مثال اِن کی ہے جو شک، تذبذب اور ضعف ایمان میں مبتلا تھے، کچھ حق کے بھی قائل تھے، مگر ایسی حق پرستی کے قائل نہ تھے کہ اِس کی خاطر تکلیفوں اور مصیبتوں کو بھی برداشت کر جائیں۔ مسلم اُمہ کا یہ سیاسی تجزیہ سورۃ بقرہ کی اکیسویں آیت پر اختتام پذیر ہو جاتا ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ لوگوں کو سچی بندگی اختیار کر کے نجات حاصل کرنے کی تلقین فرماتا ہے۔

اِن آیات کریمہ کی روشنی میں اب صورت حال یہ ہے کہ ہمارے دینی زعما تو ''رجوع الی اللہ'' اور ''رجوع الی القرآن'' کا نعرہ بلند کرتے چلے آ رہے ہیں جن کا رتی بھر اثر بھی نہ ہوا۔ یہ نعرے تو ہمارے لئے ہے ہی نہیں، کیونکہ ہمارا شمار تو منافقین میں ہوتا ہے۔ بلکہ ہمارے علماء بھی اسی طبقہ میں شامل ہیں۔ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے برصغیر ہندو پاکستان میں جدوجہد کے پہاڑ ضائع ہو گئے مگر نتیجہ کچھ بھی نہ نکلا۔ یہ اِس لئے ہوا کہ ساری کوشش کا انحصار منافقین پر تھا۔ مسلمانوں نے ہندوستان پر آٹھ سو سال حکومت کی اور ایک عظیم الشان سلطنت کی بنیاد رکھی۔ جس میں ہر طرف عدل، احسان، امن اور رواداری کا دور دورہ تھا اور مسلمانوں کی رعیت ان پر فدا تھی اور سلطنت کی سرحدوں کی حفاظت نہایت دلیری اور جانفشانی سے کرتی تھی۔ مگر یہ سلطنت اسی

وقت تک مثبت طور پر قائم رہی جب تک مسلمانوں کے قول و فعل میں تضاد نہ تھا۔ بعد میں یہی حکمران منافقت اور وہن کا شکار ہو کر صفحہ ہستی سے مٹ گئے۔

دو متفق علیہ احادیث میں منافق کی یہ چار نشانیاں بیان کی ہیں۔ (1) جب بولے تو جھوٹ بولے۔ (2) جب وعدہ کرے تو پورا نہ کرے۔ (3) جب اِس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے اور (4) جب کسی سے جھگڑے تو فوراً آپے سے باہر ہو جائے۔ ذرا غور کریں کہ آج کے ہمارے معاشرے میں کون ہے جو اِن خامیوں سے مبرا ہے؟

قرآن کریم میں 134 آیات منافقین کے اخلاق و کردار اور طریق کار پر روشنی ڈالتی ہیں، مثلاً گیارہ آیات یہ بتاتی ہیں کہ منافقین موقعہ پرست ہوتے ہیں اور جو کچھ کہتے ہیں اِس کو دل سے نہیں مانتے، چار آیات میں مذکور ہے کہ منافقین سمجھتے ہیں کہ وہ اللہ اور مومنین کو دھوکہ دے رہے ہیں جبکہ وہ اپنے آپ ہی کو دھوکہ دے رہے ہوتے ہیں۔ اور اِس کا شعور نہیں رکھتے، پانچ آیات یہ بتاتی ہیں کہ منافقین جس شے کا دعویٰ کرتے ہیں، دراصل اِس کا اُلٹ کر رہے ہوتے ہیں، دو آیات میں یہ بتایا گیا ہے کہ منافقین دوسروں کو بیوقوف سمجھتے ہیں اور اپنے آپ کو عقلمند حالانکہ وہ خود بیوقوف ہوتے ہیں، چار آیات میں یہ بتایا گیا ہے کہ منافق جس چیز کو مانتے ہیں تو بھی اِسے پوری طرح نہیں مانتے، دس آیات ہمیں بتاتی ہیں کہ منافق جھوٹ بولتے ہیں اور اِن کو اس کی سزا ملے گی، نو آیات ہمیں اطلاع دیتی ہیں کہ منافق مسلمانوں کے فائدوں میں تو شریک ہونا چاہتے ہیں مگر اِن کے نقصان میں حصہ دار نہیں بننا چاہتے، اٹھارہ آیات میں مومنین کو متنبہ کیا گیا ہے کہ منافقین سے بچ کر رہیں اور اِن پر اعتبار نہ کریں، دو آیات اِس بات پر روشنی ڈالتی ہیں کہ منافقین آپس میں پھٹے ہوئے ہیں۔ ایک ایک آیت ہمیں یہ بتاتی ہے کہ منافقین اللہ سے چھپ نہیں سکتے اور یہ کہ وہ خود ظالم ہیں اور حزب الشیطان کے رُکن ہیں۔ قرآن کریم کی اکتالیس آیات میں منافقین کے طریق کار پر روشنی ڈالی گئی ہے مثلاً یہ کہ جھوٹی قسمیں، مومنوں کی تضحیک، وعدہ خلافی، بے جا اعتراضات، طعنہ زنی، بہانے بنانا اور افواہیں پھیلانا اِنکا محبوب مشغلہ ہے۔ منافقین مومنوں کے بدخواہ ہیں، اِن کی بھلائی سے پریشان ہوتے ہیں اور اِن کی مصیبت سے خوش۔ برے کام کرتے ہیں، جہاد سے گریزاں رہتے ہیں، نماز میں سستی اور کاہلی سے آتے ہیں۔ انفاق فی سبیل اللہ اِن پر گراں گذرتا ہے۔ نصرت میں مسلمانو کا ساتھ جتلاتے ہیں اور ان

کی مشکلات میں ان سے دور بھاگتے ہیں۔ منافقوں کے ظاہراً نیک کام بھی مومنوں کیلئے خطرے سے خالی نہیں ہوتے۔ منافقین کے دلوں میں کھوٹ اور روگ ہوتا ہے۔ اور وہ فتنہ پرداز ہوتے ہیں۔ اِن کا مخصوص انداز گفتگو ہوتا ہے، وہ قانونی موشگافیوں کے ماہر ہوتے ہیں مگر جب گھمسان کا رن پڑے تو اُلٹے پاؤں بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔ قرآن حمید کی پچیس آیات میں منافقین کی سزا کا ذکر کیا گیا ہے۔ منافقین کی سزا کافروں سے کہیں بڑھ کر ہے اور وہ جہنم کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ اِن سے اتنی نفرت کرتا ہے کہ وہ اپنے حبیب نبی ﷺ سے کہتا ہے اگر تم اِن کے لئے ستر بار بھی مغفرت مانگو گے، تو بھی اللہ انہیں نہیں بخشے گا اور رسول اللہ ﷺ کو کسی منافق کی نماز جنازہ پڑھانے اور کسی منافق کی قبر پر دُعا کرنے کے لئے کھڑے ہونے سے منع فرماتا ہے۔ حدیث نبوی شریف ہے کہ جہنم میں ایک وادی غم ہے، جس سے دوزخ دن میں ستر بار پناہ مانگتی ہے اور یہ دکھاوے کے علماء اور قاریوں کے لئے مخصوص ہے۔

تاریخ عالم ہمیں یہ بتاتی ہے کہ تاریخ سازی میں صرف صاحب کردار لوگوں ہی نے رول ادا کیا ہے۔ منافقوں کا اِس میں کوئی رول نہیں ہے۔ اگر ہم پاکستان کو اِس کے انحطاط سے نکالنا چاہتے ہیں تو ہمیں چاہیے کہ ایک مثبت پروگرام (تعلیم و تربیت اور میڈیا) کے تحت پاکستانیوں کو منافقت کی دلدل سے نکالیں۔ ستم ظریفی دیکھئے پاکستان ٹیلی ویژن مسلسل رسول عالی مرتبت ﷺ پر درود وسلام بھیجنے کی تلقین کرتا رہتا ہے مگر لمحہ بھر کیلئے بھی اِس بات پر غور نہیں کرتے کہ جس انسان پر اللہ اور فرشتے درود بھیجتے ہوں، بھلا اِس کو چند کروڑ منافقین کے درود کی کیا ضرورت ہے؟ ہمیں یہ بات اچھی طرح جان لینی چاہیئے کہ اپنی منافقت سے نجات حاصل کئے بغیر ہماری کوئی بھی جدوجہد کامیابی سے ہمکنار نہ ہوگی۔

منافقت کا نصاب پڑھ کر محبتوں کی کتاب لکھنا
بڑا کٹھن ہے خزاں کے ماتھے پر داستان گلاب لکھنا

حماس میں کرسی کی کوئی اہمیت نہیں

(امیر حمزہ)

شیخ احمد یاسین جو اہل فلسطین کے قائد، باپ اور تحریک حماس کے سربراہ تھے۔ اسرائیل کی دہشت گردی کا شکار ہو گئے۔ شیخ احمد یاسین کی تحریک حماس نے اسرائیل کے خلاف جس جرات، دلیری اور فداکارانہ قربانیوں کی تاریخ رقم کی اس نے پہلی بار اسرائیل اور اس کے سرپرستوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ پوری دنیائے کفر کو ہلانے والا شخص خود عمر رسیدہ اور بوڑھا تھا۔ ٹانگوں سے معذور تھا۔ نگاہوں میں کمزوری کا حامل تھا۔ وہ دراصل عزم کا پہاڑ تھا۔ عالم عرب کے مشہور ترین میگزین ''المجلۃ'' میں پچھلے دنوں ان کا انٹرویو شائع ہوا۔ ان کی زندگی کا یہ تفصیلی انٹرویو تھا اور اس لحاظ سے بھی منفرد تھا کہ انٹرویو لینے والے جناب محمود خلیل نے آغاز ہی میں شیخ کے بارے میں لکھا ''احمد یاسین کی شہادت کے بعد حماس کا مستقبل کیا ہو گا؟'' اس کا جواب شہادت سے قبل ہی شیخ احمد یاسین دے گئے وہ کیا جواب دے گئے ان کا جواب ان کے ان انٹرویو میں ملاحظہ کیجئے۔

س۔۔۔۔۔ آپ کے لوگ جو اسرائیل کے شہریوں کو بم دھماکوں میں مارتے ہیں اس پر امریکہ اور یورپ آپ پر دہشت گردی کا الزام لگاتے ہیں آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب۔۔۔۔۔ آپ ہماری تاریخ دیکھ لیں ہم اسرائیلی شہریوں پر بالکل حملے نہیں کرتے تھے کیونکہ ہمارا دین اس کی اجازت نہیں دیتا لیکن جب دشمن نے ہمارے شہریوں کو بے دریغ قتل کرنا شروع کیا تو پھر یہ ہمارا حق تھا کہ ہم بھی دشمن کے ساتھ ویسا ہی کریں جیسا وہ ہمارے ساتھ کر رہا ہے اور ایسا ہم نے اپنے دفاع کے لئے کیا لہٰذا دنیا کو یہ بات سمجھنی چاہئے کہ ہمارے طریق کار میں کوئی غلطی نہیں ہے بلکہ غلطی امریکہ اور یورپ کے رویے میں ہے جو ہم پر دہشت گردی کا الزام عائد کرتے ہیں لیکن اسرائیل کو کھلا چھوڑ دیتے ہیں جو ہمارے علاقوں پر بھی قابض ہے اور ہمارے شہریوں کو قتل بھی کرتا ہے اور ان کے مکانات اور گھر بلڈوز بھی کرتا ہے۔ لہٰذا میں واضح کرتا ہوں کہ ہماری جماعت اس وقت تک اسرائیلی یہودیوں کے قتل سے نہیں رکے گی جب تک کہ ان کی افواج ہمارے لوگوں کے قتل عام سے

باز نہیں آتیں لہذا ہم اپنے دفاع اور اپنے علاقوں کو آزاد کرانے کیلئے ہر ممکن وسیلہ اختیار کریں گے۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ اپنے علاقوں کو واپس لینے کی قیمت کیا ہے۔ لامحالہ یہ قیمت دینا پڑے گی اور ہم اسے ادا کر رہے ہیں اور اس وقت تک ادا کرتے رہیں گے۔'' **فاما النصر واما الشهاده** ''جب تک کہ وہ دو چیزوں میں سے ایک نہ مل جائے یا فتح مل جائے اور یا شہادت کی موت مل جائے۔

س۔..... آپ کے بعد قیادت ایک مسئلہ تو نہیں بن جائے گی آپ کی جماعت کے لئے؟

ج۔...... اس دنیا سے جانا ایک حقیقت ہے۔ جب میں نہ رہوں گا تو میری جماعت کے لوگ نئی قیادت منتخب کر لیں گے لیکن یہ واضح کر دوں جیسا کہ بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ میرے جانے کے بعد نہ جانے ہماری جماعت کے لوگ قیادت کے لئے مصیبتوں اور مصائب کا شکار نہ ہو جائیں تو میرے تمام ساتھی جو ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں تو وہ اپنے فرائض کی ادائیگی اور قربانیاں پیش کرنے کے لئے ایک دوسرے سے آگے جانے کی کوشش کرتے ہیں جہاں تک کرسی، دنیا اور مال کے حصول کے لئے آگے بڑھنے کا تعلق ہے تو یہ چیز ہمارے ساتھیوں میں نہیں ہے۔ دوسری اہم ترین بات یہ ہے کہ اللہ کے فضل سے ہمارے لوگوں میں امتحانوں سے نکلنے اور سرخرو ہونے کی صلاحیت اس لئے ہے کہ ہماری ایک شوریٰ ہے اور ہم اپنے معاملات اور اپنی جماعتی صفوں کی ترتیب میں اس شوریٰ کا التزام کرتے ہیں۔

س۔ مصر کے ذریعہ اسرائیل کے ساتھ آپ، کے جو مذاکرات ہوئے وہ ناکام کیوں ہوئے؟

ج۔..... ہم نے قاہرہ میں اپنی گفتگو میں واضح کر دیا تھا کہ ہم شہریوں کو ہدف نہیں بنائیں گے مگر اس کیلئے چند شرائط ہیں اور یہ شرائط ہم نے اپنے موقف کے آخری سرے تک پہنچ کر کیں کیونکہ اس سے آگے ہم نہیں جا سکتے تھے لیکن اسرائیلیوں کا دباؤ یہ تھا کہ ہم آپ کی قیادت کو نشانہ نہیں بناتے جبکہ ہمارے سول لوگوں کو نشانہ نہ بنانے کی کوئی یقین دہانی نہ تھی تو ہم نے اس حوالے سے اس تجویز کو فوراً رد کر دیا اور ہم نے مصریوں کے واسطے اسرائیلیوں کو پیغام دیا کہ.......

''ہم نے جہاد اور مقابلے کا جو پرچم اُٹھایا ہوا ہے وہ ملک وملت کے لئے ہے۔ یہ آزادی کا مسئلہ ہے۔ ہماری ذاتوں کے دفاع کا مسئلہ نہیں ہے''۔

س۔...... ''نقشہ راہ'' جسے امریکہ نے پیش کیا اس میں آپ سے یہ کہا گیا ہے کہ امن کی شکل میں آپ کو اسلحہ سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔ اس بارے میں آپ نے کیا سوچا ہے؟

ج۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم تصورات کی بنیاد پر فیصلے نہیں کرتے۔ امریکہ نے جو نقشہ راہ پیش کیا ہے یہ سارا تصورات پر مبنی ہے۔ ہم کہتے ہیں سب سے پہلے اسرائیل فلسطینی علاقوں سے نکلے۔ اِن علاقوں کو کامل آزادی ہو اور اسرائیلی قبضے کا فلسطینی ریاست کو شائبہ تک نہ ہو۔ القدس دارالحکومت ہو۔ اِسی طرح 1948ء سے جن فلسطینیوں کو باہر نکالا گیا ہے انہیں واپسی کا حق حاصل ہو، تو اِن عملی اور حقیقت پر مبنی اقدامات کے بعد حماس سے اسلحہ رکھنے کی بات ہو سکتی ہے۔ لیکن اِن اقدامات کے بغیر جو نقشہ راہ پیش کیا گیا ہے تو اِس کی ولادت ہی مردہ شکل میں ہوئی ہے اور یہ ایسا مردہ ہے کہ جس میں اسرائیل کو تو امن و امان کی ضمانت دی گئی ہے جبکہ فلسطینیوں کو ماسوائے سراب اور خواب کو کچھ نہیں دیا گیا۔ آج بحمد اللہ ہماری قوم کے ایمان اور قربانیوں نے دنیا کی ایک بڑی مادی قوت کو کمزور ثابت کیا ہے لہٰذا ہم اِس سے پیچھے نہیں ہٹیں گے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی مدد کے ساتھ دشمن پر واضح غلبہ عطا فرمادے۔

س۔...... امریکہ اور یورپ کے موقف کے بارے میں آپ کیا کہیں گے؟

ج۔...... ہمیں اِس بارے میں کوئی شبہ نہیں کہ امریکہ اور یورپ ہمارے بارے میں متضاد رویہ اپنائے ہوئے ہیں۔ وہ ہمارے عوام کے حقوق اور آزادی کو نظر انداز کرتے ہیں اور جب ہم اپنے حقوق اور آزادی کی جدوجہد میں ہوتے ہیں تو وہ ہماری جدوجہد کو دہشت گردی قرار دیتے ہیں اور پھر قابض اسرائیلی واویلے پر کان دھرتے ہوئے وہ ہم سے امن کی اپیلیں بھی کرتے ہیں جبکہ اسرائیل کی جو دہشت گردی ہے اس پر وہ اپنے کان بند کر لیتے ہیں لہٰذا ٹھوس اقدامات کے بغیر ہم محض عالمی طاقتوں کی خالی باتوں کو تسلیم نہیں کریں گے اور اپنا جہاد جاری رکھیں گے۔

زندگی اور موت کا سوال

- جب ہمارا دین مکمل، ہمارا نبی ﷺ برحق اور ہمارا قرآن اللہ تعالی کی سچی کتاب ہے تو پھر ملت اسلامیہ کے زوال کی وجہ کیا ہے؟
- جب اللہ تعالے نے ہم سے وعدہ فرمایا کہ اگر تم مومن ہو تو تمہیں غالب رہو گے اور یہ بھی کہ اگر اللہ تمہارا مددگار ہے تو تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔ تو پھر ہم اسقدر مغلوب بے بس اور رسوا کیوں ہیں؟
- مسلمان نماز بھی پڑھتے ہیں، روزے بھی رکھتے ہیں اور حج بھی پہلے سے زیادہ کرتے ہیں۔ بزرگوں کے مزاروں پر عرس بھی خوب شاندار طریقہ سے مناتے ہیں۔ ماہ محرم میں بھی کیا جوش وخروش ہوتا ہے۔ مالدار بھی بہت ہیں اور لاکھوں لوگ کوٹھیوں، کاروں اور کارخانوں کے مالک ہیں تو پھر یہ مردنی کیوں ہے اور یہ تنزل کیوں ہو رہا ہے؟
- ہر طاقتور ملک کی نظریں ہمارے ملکوں پر کیوں لگی ہیں اور ہر طرف خون مسلم اسقدر بے دردی اور ارزانی کے ساتھ کیوں بہایا جا رہا ہے؟
- نکبت وادبار کی موجودہ حالت سے نکلنے کے لئے کیا تدابیر اختیار کی جائیں اور کونسے لائحہ عمل پر چل کر ہم اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کر سکتے ہیں

بانی سلسلہ کی دیگر تصانیف



قرون اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال و انحطاط کی وجوہ
اسلامی تصوف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے
ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع
اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا
واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق و آداب کے اسرار و رموز اور نفس
اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل



کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ
اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔
سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔
زوال امت میں امراء، علماء، صوفیا کا کردار، علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق
تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوف کے انسانی زندگی پر اثرات۔
سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔



یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے
تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں
کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی
مرتبہ فقیری کا مکمل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام
اوراد و اذکار اور اعمال و اشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کر کے
کے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔



کتاب ہذا وحدت الوجود کے موضوع پر ایک مختصر مگر نہایت مدلل اور اہم دستاویز ہے
خواجہؒ صاحب نے ذاتی مشاہدہ کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کیا
ابن عربیؒ کے نظریہ وحدت الوجود اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کے وحدت شہود میں فرق
انسان کی بقا اور ترقی کیلئے مذہب کیوں ناگزیر ہے۔
وہ بنیادی سوال جس نے نظریہ وحدت الوجود کو جنم دیا۔
روحانی سلوک کے دوران تمام بزرگان عظام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں۔